ضوابط الجرح والتعدیل

جسے علمِ حدیث کا نصف علم قرار دیا گیا
اور جوامتِ محمدیہ کا خاصہ ٹھہرا

محدث العصر
فضیلة الشیخ
اِرشادُالحق اثری حفظہ اللہ

جمع وترتیب
حافظ محمد یونس اثری

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
ڈیفنس فیز 4 نزد شار شہید پارک وگزری پولیس اسٹیشن کراچی

ضوابط الجرح والتعدیل

محدثین کرام نے راویوں کے حالات کی جانچ اور ان پر حکم لگانے کے لئے جو اصول مرتب کئے انہیں ''علم الجرح و التعدیل'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور علم الجرح والتعدیل کو علم حدیث کا آدھا علم قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ یہ ایک ایسا عظیم الشان علم ہے جس کی دقت، باریک بینی کے ساتھ ساتھ وسعت اور احاطہ کی مثال دنیا کا کوئی بھی انسائیکلو پیڈیا پیش کرنے سے عاجز ہے، اس علم کی گہرائی، لطافت اور صدیوں پر محیط ہزاروں راویوں کے مکمل احاطہ کو دیکھ کر انسان مبہوت رہ جاتا ہے۔ یقینا یہ علم اللہ تعالی کی توفیق کے بعد محدثین کرام کی ان تھک محنت اور جاں گسل مشقت کا نتیجہ ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں اس علم کی بارآوری میں کھپا دیں حتی کہ یہ علم ایک ثمرمند درخت کی صورت اختیار کر گیا اور حدیث شریف کے لئے محافظ بن گیا۔

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
جامع مسجد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ڈیفنس فیز 4، نزد نثار شہید پارک وگزری پولیس اسٹیشن کراچی
www.islamfort.com info@islamfort.com
/islamfort1 /islamfort1 +92-322-2056928

ضوابط الجرح والتعدیل

جسے علمِ حدیث کا نصف علم قرار دیا گیا
اور جوامتِ محمدیہ کا خاصہ ٹھہرا

محدث العصر فضیلة الشیخ
ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

جمع وترتیب
حافظ محمد یونس اثری

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
ڈیفنس فیز 4، نزد نثار شہید پارک گزری پولیس اسٹیشن کراچی

نام کتاب	-------	دورہ ضوابط الجرح والتعدیل
محاضر	-------	محدث العصر علامہ ارشاد الحق اثری
اعداد	-------	حافظ محمد یونس اثری
ناشر	-------	المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی
اشاعت اول	-------	2016ء

ملنے کا پتہ

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر، متصل جامع مسجد سعد بن ابی وقاص

نزد نثار شہید پارک ڈیفنس فیز 4 کراچی

فون نمبر:021-35896959

الشیخ محمد کامران یاسین:0322-2056928

فہرست

فہرست

پیش لفظ

الحمد لله والصلوة والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبه ومن والاہ۔

أما بعد!

حدیث نبوی شریعت اسلامی میں قرآن مجید کے بعد وہ دوسرا مصدر ہے جس سے احکام شرعیہ مستنبط ہوتے ہیں، قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل، مطلق کی تقیید، عام کی تخصیص حدیث ہی کے ذریعہ ممکن ہے، غرض قرآن کریم کی الٰہی تفسیر کا یہ واحد منبع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''ذکر'' کی حفاظت کا وعدہ قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث کو بھی شامل ہے۔

اپنے وعدہ کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے امت مسلمہ کو ایسا لشکر مہیا کیا جس نے حفاظت حدیث کے لئے اپنا تن من دھن قربان کر دیا اور حفاظت کی اس ذمہ داری کو نبھا کر سرخرو ہو گئے۔ ہر دور میں ایسے جہابذہ علماء آتے رہے جنہوں نے اپنے اسلاف سے اس مشن کو لیا اور آئندہ نسل تک اس کو منتقل کرتے رہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ آج ہمارے دور تک آ پہنچا ہے اور ہماری پست ہمتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم سے ایسے علماء ہمارے درمیان موجود ہیں جنہوں نے اس عظیم مشن کے لئے خود کو وقف کر رکھا ہے اور بحسن خوبی اسے انجام دے رہے ہیں، انہی میں سے ایک نام استاذ الاساتذہ محدث العصر فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب حفظہ اللہ کا بھی ہے، جن کی دفاع وشرح حدیث کے حوالہ سے خدمات معروف ومشہور

پیش لفظ
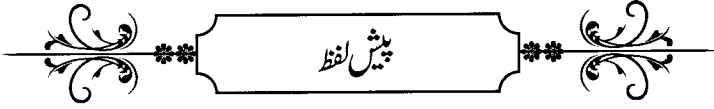
ہیں۔

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین مبارکہ اور احادیث شریفہ تک رسائی کا واحد ذریعہ وہ ناقلین حدیث ہیں جنہوں نے نسل در نسل احادیث کو سنا اور آگے پہنچایا یہاں تک کتب احادیث کا ایک ذخیرہ تیار ہو گیا اور پھر روایت حدیث کے لئے کتب پر ہی اعتماد ہونے لگا، لیکن حدیث کی صحت وضعف کا دار و مدار ان راویوں پر ہی رہا جنہوں نے ان احادیث کو روایت کیا، لہذا راویوں کے حالات کی معرفت، صدق وکذب کی خبر اور حفظ وضبط کی جانچ ہی احادیث کے صحیح وضعیف ہونے کا معیار قرار پائی۔

محدثین کرام نے راویوں کے حالات کی جانچ اور ان پر حکم لگانے کے لئے جو اصول مرتب کئے انہیں ''علم الجرح والتعدیل'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور علم الجرح والتعدیل کو علم حدیث کا آدھا علم قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ یہ ایک ایسا عظیم الشان علم ہے جس کی دقت، باریک بینی کے ساتھ ساتھ وسعت اور احاطہ کی مثال دنیا کا کوئی بھی انسائیکلو پیڈیا پیش کرنے سے عاجز ہے، اس علم کی گہرائی، لطافت اور صدیوں پر محیط ہزاروں رایوں کے مکمل احاطہ کو دیکھ انسان مبہوت رہ جاتا ہے۔ یقینا یہ علم اللہ تعالی کی توفیق کے بعد محدثین کرام کی ان تھک محنت اور جاں گسل مشقت کا نتیجہ ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں اس علم کی بارآوری میں کھپادیں حتی کہ یہ علم ایک ثمر مند درخت کی صورت اختیار کر گیا اور حدیث شریف کے لئے محافظ بن گیا۔

عصر حاضر میں ہم جیسے نالائق طلبہ کی پست ہمتی کے سبب یہ علم آہستہ آہستہ ہمارے لئے اجنبی بنتا جارہا ہے اور طلبہ میں اس کا رجحان اور رغبت ماند پڑتی جارہی ہے، یہی وجہ ہے کہ دشمنان اسلام کے حدیث پر حملے تیز سے تیز تر ہوتے جارہے ہیں، اس صورتحال کے پیش نظر ''المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر'' نے یہ ارادہ کیا کہ طلبہ کو اس علم کی طرف راغب کرنے اور اس علم سے روشناس کرانے کے لئے" اصول جرح وتعدیل" کے عنوان سے ایک علمی دورہ منعقد کیا جائے، اس علمی دورہ کے لئے ہم نے محدث العصر فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ سے درخواست کی کہ وہ

پیش لفظ

طلبہ پر شفقت فرماتے ہوئے تدریس کے فرائض سرانجام دیں، استاد محترم فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری ﷾ نے ہماری اس درخواست کو قبول کیا، جنوری 2015ء میں یہ دورہ منعقد ہوا جس میں علماء وطلباء کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ وللہ الحمد۔

دورہ کے اختتام پر ہم نے استاد محترم فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری ﷾ سے اس دورہ کی کتابی صورت میں اشاعت کی اجازت چاہی جو استاد محترم فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری ﷾ نے مرحمت فرمادی۔ ہمارے فاضل دوست اور معروف عالم دین فضیلۃ الشیخ حافظ محمد یونس اثری ﷾ نے اس کو کتابی قالب میں ڈھالنے کی ذمہ داری اٹھائی، اور استاد محترم فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری ﷾ کے دیئے گئے چند نکات اور دورہ کی آڈیو کے ذریعہ کام کا آغاز کیا، فاضل شیخ نے استاد محترم فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری ﷾ کے ذکر کردہ اقوالِ محدثین، عباراتِ کتب اور حوالہ جات کی توثیق وتصحیح میں بھرپور محنت کی بلکہ کئی جگہوں پر زائد مثالیں ذکر کرکے عبارتوں کو مزید نکھار کر اور اصول کو مزید واضح کرکے کتاب کو چار چاند لگادیئے اور الحمدللہ اس ذمہ داری کا حق ادا کردیا۔ فجزاہ اللہ خیرا وأحسن الجزاء۔

استاد محترم فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری ﷾ کی اس کتاب کے متعلق مجھ جیسا نالائق طالب علم حرفے چند کہنے سے عاجز ہے، بلکہ یہ مقام ایسا ہے کہ عاجزی کا اظہار کرتے بھی ریاکاری کا اندیشہ رہتا ہے، البتہ ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے اتنا ضرور عرض کروں گا کہ یہ کتاب علم الجرح والتعدیل کی خصوصاً اردو کتابوں میں ایک انمول اضافہ ہے اور مبتدی ومنتہی طالب علم کے لئے یکساں مفید ہے، اس میں استاد محترم فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری ﷾ نے جہاں جرح وتعدیل کے بنیادی اصول شرح وتوضیح کے ساتھ ذکر کئے ہیں وہیں ان اصولوں پر تفصیلی گفتگو فرماتے ہوئے چند معترضین پر نقد اور اور کچھ قدیم غلط فہمیوں مثلاً امام عجلی اور امام دارقطنی کو متساہلین میں شمار کرنے اور دیگر غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا ہے۔

پیش لفظ
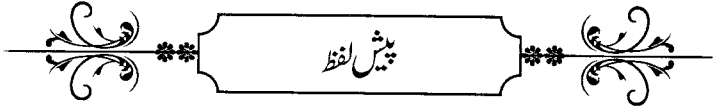
ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی اس کتاب کے نفع کو عام کر دے اور اسے ہمارے لئے صدقہ جاریہ بنادے اور استاد محترم فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کے علم میں، حیات میں برکت عطا فرمائے اور ہمیں ان سے مزید استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عثمان صفدر

مدیر المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

*****

عرض مؤلف

الحمدللہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ !

گزشتہ سال المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کی دعوت پر استاذ محترم فضیلۃ الشیخ علامہ ارشاد الحق اثری صاحب حفظہ اللہ و رعاہ کراچی تشریف لائے اور دو روزہ دورہ اصول الجرح والتعدیل کے حوالے سے اور ایک دن پر مشتمل دورہ دفاع عن الصحیحین کے حوالے سے منعقد ہوا۔ اور علمی حلقوں میں ان دونوں دوروں کو خوب پذیرائی بھی ملی، کراچی بھر کے دینی مدارس کے منتہی طلباء و مشائخ اس میں شریک ہوئے، بلکہ اندرونِ سندھ اور پنجاب کے بعض علاقوں سے بھی طلباء نے اس پروگرام میں شرکت کی، بحمدللہ دونوں دورے اپنی نوعیت کے اہم ترین موضوع پر مشتمل تھے، استاذِ محترم کا اچھوتا اور منفرد انداز اور محدثانہ ومحققانہ اسلوب میں بیان کیا گیا مواد یقیناً اس قابل تھا کہ صفحۂ قرطاس پر محفوظ کر دیا جائے، بس اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے ادارے نے اس مواد کو تحریری شکل میں لانے کا فیصلہ کیا، اور یہ ذمہ داری مجھے سونپ دی گئی، میں اس ذمہ داری کا متحمل نہیں تھا، بہرحال اللہ کی توفیق وعنایت کے ساتھ کام شروع کیا، تدریس جیسی ذمہ داری، المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے دیگر علمی پروجیکٹ اور دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ یہ عظیم کام کرنا میرے لئے کسی امتحان سے کم نہ تھا، لیکن بحمدللہ یہ کام مکمل ہو چکا ہے، میں اس حوالے سے اللہ رب العالمین کا شکر گزار ہوں کہ اس عظیم کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسے ہیچ و گناہ گار، کم علم وکم عمر کو توفیق عنایت فرمائی۔ کتاب کی تیاری میں جن چیزوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

آسان الفاظ (جو تفہیم کے لئے اثری صاحب حفظہ اللہ ہی کے استعمال کردہ ہیں) ان کو سامنے رکھتے ہوئے سہل الفاظ میں عنوانات قائم کئے گئے ہیں۔

عرضِ مؤلف

استاذ محترم کے بیان کردہ حوالوں کی تخریج کردی گئی ہے۔اور ضروری حواشی بھی لگائے گئے ہیں۔

استاذ محترم نے کسی قاعدہ کی توضیح و تفہیم کے لئے جہاں مثالیں بیان کی ہیں، کہیں کہیں ان مثالوں پر اضافہ کرتے ہوئے حاشیہ میں مزید مثالیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔

کوشش کی گئی ہے کہ اصل عربی عبارات کو حاشیہ میں ذکر کردیا جائے۔

دورانِ تدریس طلباء کی تفہیم کے لئے جو تکرارِ الفاظ کیا گیا تھا، ضبطِ تحریر میں لاتے وقت اسے حذف کردیا گیا ہے۔البتہ تفہیم کے لئے جملوں میں جس تسہیل کا استاذِ محترم حفظہ اللہ نے اہتمام کیا ہے اسے ہم نے برقرار رکھا ہے۔

یہاں اپنی تمام تر خامیوں، کوتاہیوں کا اقرار کرتے ہوئے، یہ بات تسلیم کرتا ہوں، میں کما حقہ اس کا حق ادا نہیں کرسکتا، البتہ حسبِ استطاعت ایک کوشش کی ہے کہ یہ اہم مواد جو دو دن کے محاضرہ کی شکل میں تو منظر عام پر آچکا تھا، اب ایک تحریری شکل میں بھی احسن انداز میں منظر عام پر آجائے۔ اب اس کا فیصلہ قارئین ہی کریں گے کہ میں اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں۔

یہ کتاب اردو زبان میں لکھی گئی کتب میں سے اس موضوع پر اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہوگی۔ان شاء اللہ۔اللہ تعالیٰ استاذِ محترم حفظہ اللہ کی اس عظیم محنت کو قبول فرمائے، اور اس اہم مواد کو شرفِ قبولیت بخشے، دینِ حق کی دعوت میں استاذِ محترم حفظہ اللہ کی تمام تر مساعی کو قبول فرمائے، اسے ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔

یہ کتاب بہت پہلے طبع ہوچکی ہوتی لیکن ناچیز کی دیگر مصروفیات اور ادارہ کے دیگر اہم علمی پروجیکٹ کی وجہ سے ذرا تاخیر کا شکار ہوگئی ہے تاہم اسے بہت زیادہ مؤخر نہیں ہونے دیا گیا۔اس کتاب کی تیاری کے بعد استاذ محترم نے بھی اس کا مراجعہ کیا ہے، جس سے ان شاء اللہ میری جانب سے غلطی کے امکان مزید کم ہوگئے ہیں، اس کے باوجود اہل علم میری جانب سے کسی غلطی کو محسوس کریں ضرور مطلع فرمائیں، اور جو بات اچھی لگے دعا فرمائیں کہ اسے اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں قبول فرمالے اور ہم سے راضی ہوجائے۔آمین

کتبہ/ حافظ محمد یونس اثری

مقدمہ

محدث العصر علامہ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین و علی اٰلہ و صحبہ و من تبعھم باحسان الی یوم الدین ۔ امابعد

عروس البلاد کراچی کے پوش علاقہ ڈیفنس فیز 4 میں المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے نام سے ایک علمی وتحقیقی ادارہ قائم ہے، جہاں کے اکثر فضلاء الجامعہ الاسلامیۃ مدینہ منورہ کے فیض یافتگان میں سے ہیں، انہی کے زیر اہتمام سہ ماہی ''البیان'' بڑے تزک واحتشام سے شائع ہوتا ہے، جس کی تقریباً مختلف اہم عناوین پر مشتمل چوداں اشاعتیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں تعظیم حرمات اللہ، اسلامی بینکاری شرعی میزان میں اور اسلامی ثقافت جیسے اہم عناوین پر خصوصی اشاعتیں اہل علم سے داد تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ اسی المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے اربابِ اختیار نے اس ناکارہ کو گذشتہ سال جنوری 2015ء میں تین دن کے لئے یاد فرمایا اور بتلایا کہ جرح وتعدیل کے اصول وضوابط اور الجامع المسند الصحیح للامام البخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک دورۂ علمیہ کا اہتمام کیا گیا ہے، جس میں ان دونوں موضوعات پر ہم نے گفتگو کرنی ہے۔

ہر چند کہ یہ ناکارہ اس لائق نہیں ہے کہ ان اہم موضوعات پر کچھ معروضات پیش خدمت کرنے کی جسارت کرے لیکن منتظمین کی محبت نے حاضری پر مجبور کردیا، چنانچہ حسب پروگرام 25، 26، 27 جنوری 2015ء کو المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر میں حاضر ہوا۔ کراچی اندرون سندھ بلکہ پنجاب سے بھی طلباء کی کثیر تعداد اس دورہ میں شریک ہوئی، کراچی میں جامعات کے

اساتذہ کرام وشیوخ عظام نے بھی محبتوں سے نوازا کہ اس دورہ میں تشریف لائے، ہیچمداں کی حوصلہ افزائی فرمائی، جزاهم الله احسن الجزاء

المسند الصحیح کے عنوان پر گفتگو ہوئی۔ گفتگو کا دورانیہ تقریباً پانچ گھنٹوں کا تھا، جسے ریکارڈ کرلیا گیا تھا۔ اول الذکر موضوع (دورہ ضوابط الجرح والتعدیل) کو اسی ریکارڈ سے المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے رفیق جناب مولانا حافظ محمد یونس اثری صاحب حفظہ اللہ نے بڑی محنت سے اوراق پر منتقل کیا بلکہ دوران گفتگو جن حوالوں کا ذکر آیا بڑے اہتمام سے ان کی مراجعت کی اور مطبوعہ متداول کتابوں سے حاشیہ میں ان کا حوالہ بھی دے دیا بلکہ جہاں مناسب سمجھا عربی کی اصل عبارت بھی ذکر کردی گئی تاکہ ان سے استفادہ آسان اور مکمل ہوجائے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ مولانا حافظ محمد یونس اثری صاحب کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ جنہوں نے یہ فریضہ بڑی تن دہی سے ادا کیا۔ اور اس کو اوراق پر منتقل کرکے ہمیشہ کے لئے اسے محفوظ کردیا تاکہ زیادہ سے زیادہ اس سے استفادہ ہوسکے۔ اس ناکارہ نے بھی اس پر ایک نظر ڈال لی ہے اور بعض باتوں کی باحوالہ وضاحت کردی ہے اور جہاں کوئی سقم محسوس ہوا اس کا ازالہ کردیا گیا ہے۔ مقدور بھر تصحیح و مراجعت کے باوجود اگر اہل علم کہیں کوئی غلطی محسوس فرمائیں تو باحوالہ اس سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کرلی جائے۔ دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ محترم مولانا حافظ محمد یونس اثری صاحب کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور تشنگان علم کے لئے اسے مفید بنائے۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے ارباب اہتمام کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اس ناکارہ کی گفتگو کو مفید سمجھتے ہوئے اس کی طباعت کا انتظام کیا اور اپنے زیر نظر علمی موضوعات میں اسے شامل کرکے اس سے استفادہ کی تقریب پیدا کردی، اللہ تعالیٰ اس ریسرچ سینٹر کو مزید اپنی مرضیات سے نوازے اور دین کی نشر واشاعت میں بہرنوع ان کی مدد فرمائے اور اس مشکل راہ کی رکاوٹوں کو دور کرکے آسانی باہم پہنچائے۔ آمین

ارشاد الحق اثری

14/6/2016

پہلا دن

25 جنوری 2015ء
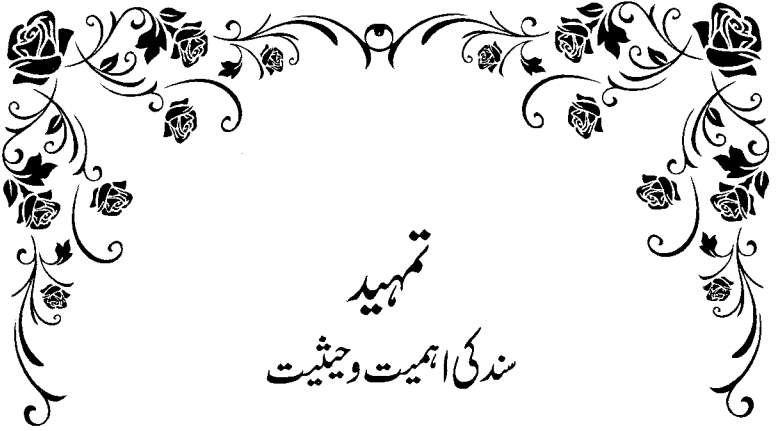
تمہید

سند کی اہمیت وحیثیت

اللہ رب العزت نے اس امت کو جن امتیازات سے نوازا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اس امت نے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ پایا ہے ان سب کو سند کے ساتھ محفوظ کیا ہے۔ کوئی بات سند کے بغیر نہیں۔ یعنی قرآن کریم بھی اور احادیث بھی، ایک ایک حدیث کی سند محفوظ ہے۔ امام ابو حاتم ابن حبان رحمہ اللہ نے المجروحین کے مقدمہ میں اور علامہ مزی رحمہ اللہ نے تہذیب الکمال کے مقدمہ میں ابن قتیبہ رحمہ اللہ سے [1] اور ابن حزم رحمہ اللہ نے الفصل [2] میں یہ بات فرمائی ہے کہ اس امت کا خاصہ ہے کہ اس میں کوئی بھی بات سند کے بغیر نہیں ہے۔

---

[1] تہذیب الکمال : ۱۷۷/۱ مؤسسة الرسالة، عبارت ملاحظہ فرمائیں:[وليس لامة من الامم إسناد كإسنادهم، يعني هذه الامة، رجل عن رجل وثقة عن ثقة حتى يبلغ بذلك رَسُول اللهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلم وصحابته فيبين بذلك الصحيح والسقيم، والمتصل والمنقطع، والمدلس والسليم.]

[2] الفصل فى الملل والنحل : (۷۰/۱)، مؤسسة الرسالة.، عبارت ملاحظہ فرمائیں: [ما نقله الثقة عن الثقة كذلك حتى يبلغ إلى النبي صلى الله عليه وسلم يخبر كل واحد منهم باسم الذي أخبره ونسبه وكلهم معروف الحال والعين والعدالة والزمان والمكان على أن أكثر ما جاء هذا المجيء فإنه منقول نقل الكواف إما إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من طرق جماعة من الصحابة رضي الله عنهم وإما إلى الصاحب وإما إلى التابع وإما إلى أمام أخذ عن التابع يعرف ذلك من كان من أهل المعرفة بهذا الشأن والحمد لله رب العالمين وهذا نقل خص الله تعالى به المسلمين دون سائر أهل الملل كلها وبناه عندهم غضا جديدا علىقديم الدهور مد أربعمائة عام وخمسين عاما في المشرق والمغرب والجنوب والشمال يرحل في طلبه من لا يحصى عددهم إلا خالقهم إلى الآفاق البعيدة ويواظب على تقييده من كان الناقد قريبا منه قد تولى الله تعالى حفظه عليهم والحمد لله رب العالمين]

تمہید

سند اور دیگر ادیان

امت مصطفوی کے علاوہ جتنی امتیں ہیں وہ محسنین کی کوئی سند پیش نہیں کر سکتے، سند پیش کرنا تو کجا، ان کتابوں کی زبانیں بھی نہیں رہیں، جن میں ان کے اقوال موجود تھے۔ان کتابوں کے تراجم مختلف اسلوبوں میں موجود ہیں۔لیکن وہ کتابیں اصل زبانوں میں آج موجود نہیں ہے۔

بلکہ حیرانی اور تعجب کی بات ہے کہ یورپ میں ایک مسئلہ چل نکلا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا وجود بھی حقیقی تھا یا صرف کردار ہے؟؟ [1] کیونکہ بہت سی باتیں عمل و کردار کے اعتبار سے مشہور ہو جاتی ہیں لیکن ان کا وجود نہیں ہوتا۔اس لئے یورپ میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آرہا ہے۔وہاں کے محققین اور ناقدین نے آزادی کی فکر کو آزاد کیا، لیکن اس آزادی کی فکر میں اتنے آزاد ہوئے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مشکوک بنا دیا کہ وہ واقعتاً اللہ کے نبی تھے، یا صرف قصے کہانیاں ہیں؟؟

بہر حال یہ صرف امت محمدیہ کا خاصہ ہے کہ صرف قرآن مجید ہی نہیں، حدیث بھی، لغت بھی حتی کہ جرح والتعدیل کے اقوال بھی اور یہاں تک کہ حکایات وقصص بھی۔تاریخ، تفسیر اور حدیث ہی نہیں بلکہ قصے اور کہانیوں کو بھی بغیر سند کے بیان نہیں کیا۔اس موضوع پر حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کچھ عجیب وغریب کتابیں لکھیں، کتاب البخلاء، کتاب التطفیل، ان کتابوں میں جو قصے ہیں، وہ بھی بغیر سند کے نہیں ہیں۔محدثین نے سند کا صور ایسے مضبوط طریقے پر ڈالا اور پھونکا ہے، کہ کوئی حکایت بیان کرنے والا بھی اپنی حکایت بغیر سند کے بیان نہیں کرتا۔یعنی اتنی اہمیت دے دی گئی ہے، اب دیکھئے ابن الجوزی رحمہ اللہ کی کتاب ذم الهوى، كتاب الاذكياء، كتاب القصاص ہے، ان میں ہر قصہ سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔اسی طرح ادب ولغت کے بارے میں، اشعار کے بارے میں بھی سند کا اہتمام کیا گیا ہے، تو یہ

---

[1] اسے انٹرنیٹ پر مختلف ویب سائٹ پر دیکھا جا سکتا ہے کہ اس حوالے سے مختلف لوگوں کے اس حوالے سے تبصرہ موجود ہیں۔

تمہید
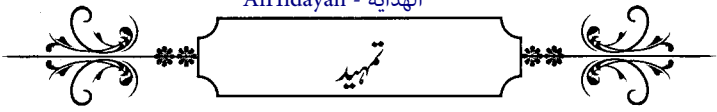
اختصاص امت محمدیہ کا ہے کہ سند کا تعلق صرف کتاب وسنت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ جتنے معاملات ہیں ان کی حکایت وبیان سند کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔

علامہ مزی رحمہ اللہ نے مقدمہ تہذیب الکمال میں ابن المدینی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ''التفقه فی معانی الحدیث نصف العلم و معرفة الرجال نصف العلم''

''حدیث کے معانی و فقہ کو جاننا نصف علم ہے اور راویوں کو جاننا نصف علم ہے۔''[1]

دو ہی چیزیں ہیں، ایک متن اور دوسری سند، متن کے معنی مفہوم کو جاننا اور دوسرا علم سند کا ہے۔

یہاں یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے کہ علامہ قسطلانی کی المواهب اللدنية میں انہوں نے سند کی یہی اہمیت بیان کرتے ہوئے ایک عجیب روایت بیان کر دی ہے جیسا کہ بسا اوقات حق بیان کرتے ہوئے غلو بھی آجاتا ہے۔ تو اس میں ایک موضوع روایت ہے جس میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إذا كتبتم الحديث فاكتبوه باسناد فإن يك حقا كنتم شركاء في الأجر وإن يكن باطلا كان وزره عليه''[2]

ہر معاملے میں غلو پایا جاتا ہے جب حقیقت سے تجاوز کیا جائے تو باتونی آدمی ہر فن میں مل جاتے ہیں کہ ایک کذاب (مسعدۃ بن صدقہ[3]) نے ایک روایت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے گھڑ لی کہ جو بھی حدیث بیان کرو تو سند کے ساتھ بیان کرو اور اگر وہ سند کے ساتھ بیان کرو تو صحیح اجر ملے گا اور اگر غلط ہوگی تو اس کا وزر (بوجھ) بنانے والے پر ہوگا۔

---

[1] تہذیب الکمال: مقدمہ، ۱/۹

[2] المواهب اللدنية ، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موضوع قرار دیا ہے۔ میزان الاعتدال: ترجمة مسعدة بن صدقة ۴/۹۰ ترجمہ نمبر: ۸۴۳۸، اسی طرح علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (السلسلة الضعیفة: ۸۲۲)

[3] امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال: ۴/۹۰ ترجمہ نمبر: ۸۴۳۸، لسان المیزان: ترجمہ نمبر: ۷۴۲۴، ۷/۸۱)

تمہید

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو اس (مسعدۃ بن صدقہ) کے ترجمے میں موضوع قرار دیا ہے۔

لیکن اس کا معنی یہ نہیں کہ سند کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ اس روایت کے بارے میں آگاہی مقصود ہے کہ یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

سند دین میں سے ہے

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تأخذون دينكم " [1]

"یہ دین کا معاملہ ہے اس لئے تم دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے لیتے ہو؟؟"

یہی قول ابن عباس، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما، زید بن اسلم، حسن بصری، ابراہیم نخعی، الضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے۔ [2]

ضمناً ایک بات کردوں کہ یہ جو بات انہوں نے فرمائی ہے کہ اسلاف کا محتاط پہلو یہ تھا جیسا کہ مذکور ہوا، لیکن وائے افسوس آج امت اپنا دین کن سے لے رہی ہے؟ نیز جن سے دین لیا جانا چاہئے، ان کے لئے شرائط ہیں؟ لیکن اب معاملہ کیا ہے؟؟ جو نماز تک نہ پڑھے، کبائر کا مرتکب ہو، برہنہ اور پاکی، پلیدی کا بھی خیال نہ کرے، اس سے دین لے رہے ہیں۔ کجا ہمارے سلف کی فکر اور ایک ہم ہیں کہ کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ ہم نے کس سے دین لینا ہے۔

---

[1] مقدمه صحيح مسلم مع شرح النووي(۱/۴۴)، دار المعرفة- بيروت،اسی طرح یہ قول سنن الدارمی: ۴۲۳، ۴۲۸، ۴۳۳، المقدمه، كتاب الادب،المحدث الفاصل بين الراوی والواعی: ۱/۴۱۵)،دار الفكر - بيروت، الضعفاء الكبير للعقيلي : (۱/۷)، دار المكتبة العلمية- بيروت، الجامع لاخلاق الراوی:(۱/۱۲۹)، مكتبة المعارف- الرياض، الفقيه والمتفقه:(۲/۱۹۱)، دار ابن الجوزي- السعودية،الكفاية:۱۹۶

[2] مقدمه المجروحين لابن حبان:۱/۲۱،۲۲،۲۳دارالمعرفة،بيروت لبنان

تمہید

ایک قول ابن مبارک رحمہ اللہ کا ہے:

" الاسناد عندی من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء "[1]

"میرے نزدیک سند کا معاملہ دین کا معاملہ ہے اگر سند نہ ہوتو جس کے دل میں جو آئے گا وہ بیان کرے گا۔"

یعنی جب اس سے سند مانگی نہ جائے، اسے یہ معلوم ہو کہ مجھ سے کس نے پوچھنا ہے؟ تو پھر وہ دین کے نام پر جو کچھ بھی کہہ دے گا لوگ اس کے پیچھے چلیں گے۔ اسی لئے کہا کہ یہ دین کا مسئلہ ہے یہ نہ ہوتو جس کا جو دل چاہے کہہ دے گا۔

اسی قسم کا قول خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے ان سے نقل کیا ہے:

"و مثل الذی یطلب امر الدین بلا سند کمثل الذی یرتقی السطح بلا سلم"[2]

یعنی: جو آدمی سند کے بغیر دین لیتا ہے، اس کی مثال ایسے ہے جیسے وہ سیڑھی کے بغیر چھت پر جانے کی کوشش کر رہا ہے۔

یعنی جس طرح سیڑھی کے بغیر چھت پر نہیں جایا جا سکتا، اسی طرح سند کے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان تک نہیں پہنچا جا سکتا۔

ابو اسحاق ابراہیم بن عیسیٰ الطالقانی فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کہا اے ابو عبدالرحمن! اس حدیث کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ نیکی کے بعد دوسری نیکی یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لئے نماز پڑھے اور اپنے روزے کے ساتھ ان کے لئے روزہ رکھے، ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا:

---

[1] مقدمه صحيح مسلم مع شرح النووي، (۱/۴۷)، دار المعرفة ، معرفة للحاكم:(۱/۴۱)، دار أحياء العلوم، الكفاية:۲/۴۵۳، باب ذكر ما احتج به من ذهب الى قبول المراسيل و ايجاب العمل بها والرد عليه

[2] الكفاية:۲/۴۵۲ باب ذكر ما احتج به من ذهب الى قبول المراسيل و ايجاب العمل بها والرد عليه

تمہید
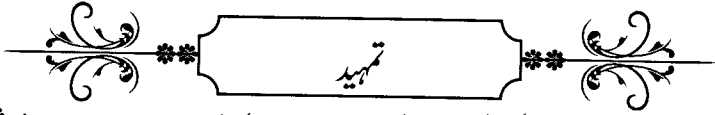
[عَمَّنْ هَذَا؟] کہ یہ حدیث کس کی روایت کردہ ہے؟ میں نے کہا کہ یہ حدیث شہاب بن خراش سے مروی ہے۔ انہوں (ابن مبارک رحمہ اللہ) نے کہا کہ وہ تو ثقہ ہے، پھر انہوں نے کہا: [عَمَّنْ] انہوں نے کس سے روایت کی ہے؟ میں نے کہا: حجاج بن دینار سے۔ انہوں نے فرمایا: وہ بھی ثقہ ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا: [عَمَّنْ] اس نے کس سے روایت کی ہے؟ میں نے کہا: وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا:

[يا أبا إسحاق، إن بين الحجاج بن دينار وبين النبي صلى الله عليه وسلم مفاوز تنقطع فيها أعناق المطي]

''اے ابواسحاق! حجاج (جو تبع تابعی ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان تو اتنا طویل زمانہ ہے جس کو طے کرنے کے لئے اونٹوں کی گردنیں تھک جائیں گی، (تو اس درمیان کے طویل زمانے کو کون پاٹے گا؟)''[1]

اب دیکھیں! ابن مبارک رحمہ اللہ نے اس روایت کا رد سند کے ذریعے سے کیا۔ ابواسحق، شہاب اور حجاج بن دینار ثقہ تھے، لیکن ان کی بات کو سند کے نہ ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا، یہی بات انہوں نے اپنے قول میں کہی کہ یہ سند نہ ہوتی تو جس کا جو دل چاہتا کہہ دیتا، تو یہ سند کا اہتمام ہے، اور اس امت کا اختصاص ہے۔

پھر سند کے حوالے سے صرف یہ اہتمام نہیں ہے کہ بس نام آ گیا ہے اور کافی ہے، مثلاً زہری، یحی بن سعید وغیرہ کا نام آ گیا ہے، صرف نام کی حد تک اہتمام نہیں، بلکہ ان رواۃ کے بارے میں تفصیلی تراجم موجود ہیں کہ کب پیدا ہوئے؟ کہاں کہاں علمی سفر کئے؟ کہاں پڑھا؟ کس حالت میں کس استاد سے علمی سماع کیا؟ جوانی میں حفظ وضبط کیسا تھا؟ اور بڑھاپے میں متاثر ہوا یا نہیں؟ اور کب فوت ہوا؟ یعنی ان کی زندگی کا بائیوڈیٹا (Bio Data) کہ اس کی زندگی کے ضروری حصص بھی محفوظ ہو گئے۔

یوں کہنا چاہئے کہ ان محدثین اور رواۃ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو ہی محفوظ نہیں کیا بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی اس محنت کے نتیجے میں ان کی زندگیوں کو بھی محفوظ کر دیا۔

---

[1] یعنی یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ حجاج بن دینار تبع تابعی ہے۔ مقدمہ مسلم: (۱/۴۹)، دار المعرفۃ۔ بیروت
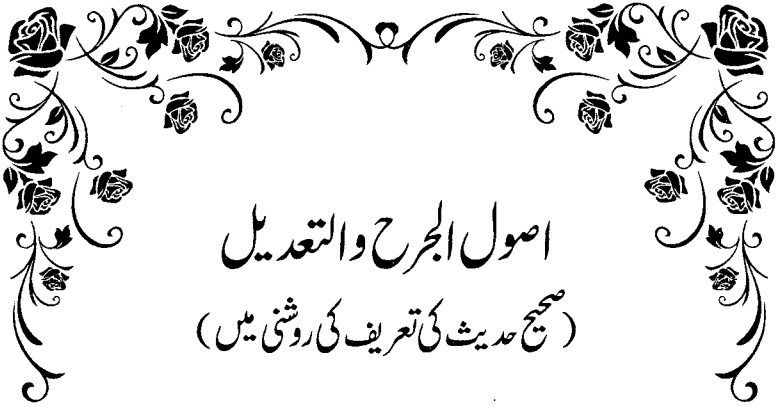
صحیح حدیث کی تعریف

ما رواه عدل تام الضبط متصل السند غير معلل ولا شاذ[1]

یعنی: وہ حدیث جسے عادل، تام الضبط راوی روایت کرے، اور اس کی سند متصل ہو، معلل اور شاذ نہ ہو۔

اس تعریف کی روشنی میں جرح والتعدیل کے اسباب اور دیگر موضوعات پر بحث کی جائے گی، تعریف میں سب سے پہلے عادل راوی کی بات ہوئی تو عدالت اور اس سے متعلقہ امور کے حوالے سے گفتگو کی جاتی ہے، اس سے پہلے جرح والتعدیل کی تعریف کو ملاحظہ فرمالیں۔

الجرح والتعدیل کی تعریف

نقد و جرح اور تعدیل یا توثیق کے حوالے سے عموماً ہم دو لفظ استعمال کرتے ہیں جرح اور نقد ہے اور اس کے مقابلے میں لفظ تعدیل اور توثیق ہے۔

لفظ جرح کی لغوی وضاحت

لغوی معنیٰ جرح (منع یمنع سے) جسم کو زخم لگانا، بعض نے فرق کیا ہے۔ کہ جیم پر ایک پیش پڑھا جائے تو مراد جسم پر زخم لگانا، (جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ [وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ]

---

[1] شرح نخبۃ الفکر: ۴۵، مکتبہ المیزان

(المائدۃ:45))اور اگر زبر پڑھی جائے تو معنی ہے کہ زبان سے اس پر نقد وتبصرہ اور زخم لگانا جیسا کہ ایک شاعر کا قول ہے:

جراحات السنان لها التئام

ولا يلتام ما جرح اللسان

زبان کے زخم نہیں مٹتے اور تلوار کے زخم مٹ جاتے ہیں۔

لفظ نقد کی لغوی وضاحت

''اچھے دراہم کی تمیز اور اور اس سے کھوٹے دراہم کا نکالنا۔''[1] یہی لفظ انسانوں کی جرح اور تنقید پر بولا جاتا ہے کہ کون صحیح ہے؟ اور کون غلط ہے؟ کون قابل اعتبار ہے؟ اور کون قابل اعتبار نہیں ہے؟ اور یہی چیز روپے پیسے میں ہوتی ہے کہ کون سا کھرا ہے؟ اور کون سا کھوٹا؟

کیا راوی پر جرح کرنا غیبت کے زمرے میں آتا ہے؟

بعض نیک حضرات نے یہاں تک کہا کہ یہ محدثین کا جرح کرنا غیبت ہے، یہ نہیں ہونی چاہئے۔ امام ابن ابی یعلی رحمہ اللہ نے طبقات حنابلہ میں ذکر کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے پاس ابوتراب نخشبی[2] آئے اور امام صاحب کی مجلس میں بیٹھ گئے اور ان کی مجلس میں احادیث کا ذکر ہو رہا تھا اور امام صاحب حدیث کے راویوں پر نقد و جرح بھی کر رہے تھے، کہ یہ ثقہ ہے اور یہ ضعیف ہے۔ ابوتراب النخشبی کہنے لگے:'' لا اتق الله ولا تغتب'' یعنی:''اللہ سے ڈرو اور غیبت نہ کرو'' امام احمد کے فرزند عبداللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:''ويحک هذا نصيحة ولا غيبة '' یعنی:''یہ خیر خواہی ہے غیبت نہیں ہے۔''[3]

---

[1] لسان العرب:۵۲۱/۳، دارالکتب العلمية بيروت

[2] ابو تراب العسكر بن الحصين النخشبي الصوفی

[3] طبقات حنابلہ لابن ابی یعلی:۲ / ۱۸۳، مكتبة العبيكان، شرح العلل لابن رجب ۱ / ۴۶،
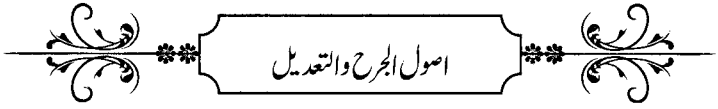
بلکہ امام یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ کا بھی بڑا عجیب واقعہ ہے۔(یہ بصری ہیں اور یحی بن سعید الانصاری رحمہ اللہ مدنی ہیں۔) یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ جب آخری ایام میں تھے ان کے پاس ابوبکر الخلاد رحمہ اللہ آئے، یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ نے ان سے پوچھ لیا کہ اہل بصرہ میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں؟ (کہ معلوم ہوجائے کہ وہ کیا خیال رکھتے ہیں؟ ان کی میرے بارے میں کیا شہادت ہے؟) انہوں نے جواب دیا: اہل بصرہ کہتے ہیں کہ آدمی تو بہت اچھے ہیں لیکن یہ جوراویوں پر جرح کرتے ہیں یہ کام اچھا نہیں ہے۔(یعنی سب خوبیوں کے اعتراف کے بعد آپ کی جرح وتعدیل کے عمل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے) امام یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ نے فرمایا:''مجھے یہ بات گوارا ہے کہ قیامت کے دن پوچھا جائے کہ تم نے اس کے بارے میں یہ نقد کیوں کیا ہے؟ لیکن یہ سوال گوارا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پوچھے کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بات بیان کرنے والے نے بات بیان کی اور وہ آدمی قابل اعتبار نہیں تھا اور تم خاموش رہے مجھے اس سوال سے خوف آتا ہے کہ اس کا، میں کیا جواب دوں گا؟؟[1]

بہر حال بعض نیک حضرات نے اسے غیبت بھی سمجھا ہے، لیکن یہ غیبت نہیں ہے بلکہ دین کی خدمت اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے۔

عدالت

لغوی معنی: ''العدالة العدل من الناس ''

---

[1] شرح العلل لابن رجب: ۱/۳۶۶، تراجم اعیان الحفاظ، عبارته:'' دخلت على يحيى بن سعيد في مرضه، فقال لي: يا أبا بكر، ما تركت أهل البصرة يتكلمون؟ قلت: يذكرون خيرا، إلا أنهم يخافون عليك من كلامك في الناس. فقال: احفظ عني، لأن يكون خصمي (في الآخرة) رجل من عرض الناس أحب إلي من أن يكون خصمي في الآخرة النبي صلى الله عليه وسلم يقول: بلغك عني حديث وقع في وهمك أنه عني غير صحيح، يعني فلم تنكر.'اور الکامل فی الضعفاء کے مقدمہ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

یعنی: ''وہ شخص جو قابل اعتبار ہو'' جس کے اعمال واخلاق پسندیدہ ہوں اس کو لغت میں عدل کہتے ہیں۔

اصطلاحاً: مسلم، بالغ عاقل، سالم من اسباب الفسق بری عادات سے جو خلاف مروت ہیں آداب اسلامی کے خلاف ہیں ان سے اجتناب کرنے والا ہو۔

عدالت کی شرط بیانِ روایت کے لئے ہے

یہاں یہ بھی سمجھیں کہ یہ جو شرط عائد کی ہے کہ عادل ہو یعنی مسلم ہو، بالغ ہو اور فسق سے بچا ہوا ہو اور خوارم مروت سے بچا ہوا ہو، یہ شرط راوی کے روایت لینے میں ہے یا روایت بیان کرنے میں ہے،؟؟ صحیح بات یہ ہے کہ لینے کے لئے یہ شرائط نہیں ہے بلکہ حدیث بیان کرنے کے لئے یہ شرائط ہیں کہ جو حدیث بیان کر رہا ہو وہ بالغ، عاقل، سالم من الفسق اور اخلاق اس کے درست ہوں، اب دیکھئے!

☆ نابالغ کی روایت قابل قبول ہے۔

☆ غیر مسلم بعد میں مسلمان ہو گیا تو اب وہ اس وقت کی حکایت بیان کرتا ہے تو اگر مسلمان نہ ہو تو اس کی کوئی روایت قابل نہیں ہے اور اسلام لانے کے بعد وہ عمل حکایت کر دیا تو وہ حدیث بن گیا، لہذا یہ شرط روایت بیان کرنے کے لئے ہے۔

فسق سے مراد: وہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ ہو اس لئے کہ صغیرہ کا اصرار اسے کبیرہ بنا دیتا ہے۔

بہت سی سنتوں کا استخفاف اسی لئے ہو رہا ہے کہ وہ سنت ہی تو ہے تو صرف سنت کہہ کر لوگ بے وقعتی اختیار کئے ہوئے ہیں حالانکہ یہ مسلسل دوری اسے کبیرہ گناہ بنا دیتی ہے۔ تو عدالت کے لئے یہ چیز شرط ہے۔

فسق کی اقسام

فسق کی دو قسمیں ہیں:

❶ اعتقادی جس کا تعلق بدعات سے ہے۔ (اس کی مزید قسمیں آگے آرہی ہیں)

❷ عملی:

محدثین نے تقسیمِ فسق میں بڑی باریک بینی اور انصاف پر مبنی فیصلہ فرمایا ہے کہ بدعتی بھی فاسق اور معصیت کا مرتکب بھی فاسق، مگر محدثین دونوں کی روایت میں فرق کرتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ جس نے بدعت اختیار کی ہے اس نے نیکی سمجھ کر اس کو اختیار کیا ہے، لیکن اس میں اس کو غلط فہمی ہوئی اور خطاء لگی ہے۔ لیکن جو عملی فسق ہے وہ نافرمانی کا مرتکب ہے، البتہ ایسی بدعت جو حدِ کفر تک پہنچ جاتی ہے اس کی روایت بالکل قابل قبول نہیں ہے۔

بدعت کی اقسام

بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ بدعت مکفرہ ۲۔ بدعت مفسقہ

بدعت مکفرہ

ایسی بدعت کہ جس کے نتیجے میں کفر لازم آتا ہے تو ایسے راوی کی روایت قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ عدالت کی شرط مسلم والی ختم ہو جاتی ہے۔

بدعت مفسقہ

ایسی بدعت جو حد کفر تک نہیں پہنچتی اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ داعی الی البدعۃ نہیں اور وہ روایت اس کی بدعت کی تائید میں نہیں تو پھر اس کی روایت کو لے لیا جائے۔ بعض نے کہا ہے بدعتی اگر بدعت مکفرہ کا مرتکب نہیں وہ داعی الی البدعہ ہی کیوں نہ ہو اس کی روایت قبول کی جائے گی۔

بدعتی اور فاسقِ عملی کے بارے میں یہ تفریق ہمیں ملحوظ رکھنی چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے راوی مرجی ہیں ،خارجی ہیں ، رافضی ہیں ،معتزلی ہیں، قدری ہیں۔لیکن ان کی روایات صحاح ستہ میں، کتب احادیث میں موجود ہیں۔جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلاف نے ان کی اس چیز کو حدِ کفر تک نہیں سمجھا۔لیکن وہ لوگ جو مثلاً قرآن مجید کی تحریف کے قائل ہیں،اب جب ان کے عقیدے کے مطابق قرآن ہی محفوظ نہیں،ان کا اسلام اور ایمان بھی مشکوک ہو کر رہ جاتا ہے۔گویا کہ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کیا جائے ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی کلمہ بتادیا تھا اب کوئی کہے اس میں تیسری شہادت کا مزید اضافہ ہے۔اب ساری امت درست ہے یا وہ جو یہ کہہ رہا ہے کہ تیسری شہادت بھی کلمہ کا حصہ ہے اور ایمان کے لئے ضروری ہے، دونوں درست تو نہیں ہوسکتے ،تو یہ لوازماتِ دین کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

*****

ثبوتِ عدالت

معروف العدالہ شخص کے بارے میں منفرد جرح کا حکم

کچھ ایسے نفوس قدسیہ موجود ہیں جن کی تحسین وتوثیق بالکل مبرہن ہے سورج اور چاند کی طرح روشن ہے اب ان کے اوپر جو حرف گیری کرتا ہے اس کی حرف گیری کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ جس کی عدالت ثابت ہے اور اس کی عدالت کے بارے میں اقوال معروف ہیں، اب کوئی گھسا پٹا یا کوئی منفرد قول اس کی تجریح کے بارے میں ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر ابن ابی ذئب ہیں اور ان کے مقابلے میں امام مالک رحمہ اللہ ہیں۔ اب ابن ابی ذئب کا تبصرہ امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں موجود ہے۔[1] حالانکہ امام مالک کا مقام کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ اب ابن ابی ذئب اگر کچھ باتیں کہتے ہیں، اس سے امام مالک رحمہ اللہ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

---

[1] ابن ابی ذئب کا نام محمد بن عبد الرحمن العامری ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کا ترجمہ قائم کرتے ہوئے " الإمام، شيخ الإسلام، الفقيه" جیسے القاب استعمال فرماتے ہیں، نیز فرماتے ہیں: و كان من اوعية العلم ، ثقة ، فاضلاً، قوالاً بالحق، مهيباً۔ ان کے اساتذہ میں عکرمہ، شرحبیل، شعبہ، زہری جیسی شخصیات ہیں اور تلامذہ میں ابن المبارک، یحیٰ بن سعید القطان، وکیع اور آدم بن ابی ایاس رحمہم اللہ جسی شخصیات ہیں۔ استاد محترم حفظہ اللہ یہاں جس تبصرے کی طرف اشارہ کررہے ہیں، یہ تبصرہ سیر اعلام النبلاء میں موجود ہے، چنانچہ حافظ ذہبی نے امام احمد رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے، ''ابن ابی ذئب تک یہ بات پہنچی کہ امام مالک رحمہ اللہ ایک حدیث [البيعان بالخيار ما لم يتفرقا] (صحیح بخاری:۲۱۰۹)] قبول نہیں کرتے، ابن ابی ذئب نے جواب دیا: ''يستتاب، فإن تاب، وإلا ضربت عنقه ''یعنی ان سے توبہ کروائی جائے گی اگر وہ توبہ کرلیں تو ٹھیک، ورنہ ان کی گردن اڑادی جائے گی، پھر امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن ابی ذئب، امام مالک سے زیادہ ورع اور حق کہنے والے تھے۔ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

ثبوت عدالت

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں یحی بن معین رحمہ اللہ نے نقد کیا ہے۔[1] لیکن یحی بن معین رحمہ اللہ کا یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کی عظمت کو کمزور نہیں کرتا۔

(بقیہ گزشتہ صفحہ) حافظ ذہبی رحمہ اللہ امام احمد کے اس قول کے بعد امام مالک رحمہ اللہ کا بھرپور دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
" لو كان ورعا كما ينبغي، لما قال هذا الكلام القبيح في حق إمام عظيم "یعنی اگر وہ ورع والے ہوتے جیسا کہ ان کو لائق تھا تو وہ اتنے بڑے امام کے بارے میں ہرگز ایسا قبیح کلام نہیں کرتے۔
پھر دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ نے ظاہر حدیث پر اس لئے عمل نہیں کیا ہوگا کہ وہ اس کو منسوخ سمجھتے ہوں گے۔
دوسرا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں، کہ اس حوالے سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث پر عمل کیا ہے حتی يتفرقا کو انہوں نے تفرق بالتلفظ پر محمول کیا، (یعنی کلام مکمل ہوجائے) تو امام مالک کے لئے اس حدیث اور تمام احادیث پر اجر ہے، اگر وہ کسی مسئلہ میں صائب الرائے ہوں تو اجر مزید بڑھ جاتا ہے۔ اور خطاء پر تلوار کو جائز سمجھنا تو حروریہ (خارجیوں) کا مؤقف ہے۔
تیسرا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: "ولم يسندها الإمام أحمد، فلعلها لم تصح "امام احمد نے اس کی سند پیش نہیں کی، ممکن ہے کہ یہ واقعہ ہی صحیح ثابت نہ ہو۔
بہرحال حافظ ذہبی کے ان بعض اقتباسات سے واضح ہو چکا ہے کہ اس تبصرے کی کیا حیثیت ہے، لہذا حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہی فیصلہ دیا: " فلا نقصت جلالة مالك بقول ابن أبي ذئب فيه، ولا ضعف العلماء ابن أبي ذئب بمقالته هذه، بل هما عالما المدينة في زمانهما "یعنی ابن ابی ذئب کی جرح سے امام مالک کی جلالت میں کوئی نقص نہیں آئے گا اور نہ ہی ابن ابی ذئب کے اس قول کی وجہ سے علماء نے ان پر جرح کی ہے بلکہ یہ دونوں اپنے دور کے مدینہ کے عالم تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۷/۱۴۱، مؤسسۃ الرسالہ)

[1] انہوں نے امام شافعی کے بارے میں لیس بثقة کہا۔ (جامع بيان العلم: ۲/۱۱۱۴، باب حكم قول العلماء بعضهم في بعض) ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ امام احمد سے یہ کہا گیا کہ یحی بن معین امام شافعی کے بارے میں کلام کرتے ہیں، تو امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا: "ومن أين يعرف يحيى الشافعي هو لا يعرف الشافعي ولا يعرف ما يقول الشافعي؟ " یعنی یحی، امام شافعی کو کیسے جانتے ہیں؟ وہ امام شافعی کو نہیں جانتے اور نہ ہی وہ یہ جانتے ہیں کہ امام شافعی کیا کہتے ہیں؟
اس کے بعد امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ امام احمد کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہیں: " صدق أحمد بن حنبل رحمه الله، إن ابن معين كان لا يعرف ما يقول الشافعي رحمه الله "یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے سچ فرمایا امام ابن معین رحمہ اللہ امام شافعی کے مؤقفات کو نہیں جانتے تھے۔

ثبوت عدالت

آپ حیران ہوں گے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہاں حد سے تجاوز کیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام یحی بن معین رحمہ اللہ کے بارے میں کہہ دیا کہ وہ غالی حنفی تھے، اس لئے انہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ پر نقد کیا ہے۔[1] لیکن حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا یہ نقد بھی غلط ہے۔ کیونکہ اگر آپ یحی بن معین رحمہ اللہ کے فقہی اقوال دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا یحی بن معین رحمہ اللہ کے بارے میں یہ تبصرہ صحیح نہیں ہے۔[2]

---

[1] امام ذہبی رحمہ اللہ نے یہ بات " الرواة الثقات المتكلم فيهم بما لا يوجب ردهم" میں کہی ہے۔ چنانچہ کتاب کے مقدمہ میں امام شافعی پر امام ابن معین کی طرف سے کی جانے والی جرح اور ابن معین کے بارے میں ابن عبدالبر کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: [قال المؤلف رحمه الله تعالى وكلامه يعني ابن معين في الشافعي ليس من هذا اللفظ الذي كان عن اجتهاد وإنما هذا من فلتات اللسان بالهوى والعصبية فإن ابن معين كان من الحنفية الغلاة في مذهبه وإن كان محدثا] (الرواۃ الثقات: صفحہ نمبر 30 طبع دار البشائر) جہاں تک امام ابن معین کے غالی حنفی ہونے کی بات ہے تو یہ غلط ہے، جیسا کہ ان کے فقہی اقوال سے واضح ہوجائے گا جسے ہم آگے درج کررہے ہیں، یہاں صرف یہ بیان کرتے ہیں کہ امام ابن معین سے امام ابوحنیفہ کے بارے میں بھی جرح ملتی ہے، دیکھئے: (تاریخ بغداد: ۱۳/ ۴۲۲، الضعفاء العقیلی: ۴/ ۱۴۱۲، الکامل لابن عدی: ۸/ ۲۳۶) اگر وہ غالی حنفی ہوتے اور ایسے ہوتے کہ اسی بناء پر امام شافعی پر جرح کرجائیں تو وہ قطعاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر جرح نہ کرتے۔

[2] جہاں تک ان کے فقہی اقوال کا معاملہ ہے، تو یہ بحث ذرا تفصیل طلب اس کا یہاں محل نہیں ہے۔ ان کا فقہی مسلک قطعاً مقلدانہ نہیں تھا، بعض مسائل میں وہ کسی کی رائے بہتر سمجھتے ہیں تو بعض میں کسی دوسرے کے موافق ہے۔

یہاں ان کے فقہی مسلک کی ایک جھلک کے لئے انتہائی مشہور مسئلہ جو کہ اہل حدیث کے امتیازی مسائل میں گردانا جاتا ہے، رفع الیدین اور فاتحہ خلف الامام کے بارے میں ابن معین رحمہ اللہ کا موقف ملاحظہ فرمایئے:

ابن محرز کہتے ہیں: ''سمعت يحيى يقول من قرأ خلف الامام فقد احسن ومن لم يقرأ فصلاته جائزة (موسوعة تاريخ ابن معين :٢/٧٨)

یعنی: جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے اچھا کیا، اور جس نے نہ کی اس کی نماز جائز ہے۔ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

ثبوت عدالت

بہر حال امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں امام یحی بن معین رحمہ اللہ کی جرح کا اعتبار نہیں ہوگا۔

امام احمد بن صالح مصری رحمہ اللہ کے بارے میں امام نسائی رحمہ اللہ نے جرح کی، [1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب میں صاف کہا ہے کہ ان کا یہ کلام انہیں مجروح قرار نہیں دیتا۔ [2]

(بقیہ گزشتہ صفحہ) اسی طرح رفع الیدین کے بارے میں بھی ابن محرز کہتے ہیں: ''سمعت يحيى بن معين يقول من رفع فى الصلاة فقد احسن ومن لا فلا شيء عليه'' (موسوعۃ تاریخ ابن معین :۲/۷۸) میں نے یحی ابن معین کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ جس نے نماز میں رفع الیدین کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے نہ کیا اس نے بھی اچھا کیا۔

بلکہ ابن محرز نے تو یہاں تک کہہ دیا: ''رأيت يحيى بن معين مالا أحصيه كثرة يرفع يديه في الصلاة اذا افتتح واذا أراد أن يركع واذا رفع رأسه من الركوع'' (موسوعۃ تاریخ ابن معین :۲/۹۶)
یعنی: میں نے یحی بن معین کو بکثرت (جسے میں شمار نہیں کر سکتا) دیکھا کہ وہ نماز شروع کرتے وقت، رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔

لہذا اس سے واضح ہے کہ ابن معین قطعاً حنفی نہیں تھے، بعض مسائل میں اگر ان کی موافقت ہے تو یہ موافقت ایک مجتہد کی حیثیت سے ہے اور صرف موافقت کی حد تک ہے نہ کہ تقلید کی حد تک۔

[1] یہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں، حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ''الإمام الكبير ، حافظ زمانه بالديار المصرية'' بلکہ یہ بھی لکھا: ''وكان أبو جعفر رأسا في هذا الشأن ، قل أن ترى العيون مثله ، مع الثقة والبراعة '' اور مام نسائی نے ان کے بارے میں کہا: '' أحمد بن صالح ليس بثقة ولا مأمون ، تركه محمد بن يحيى ، ورماه يحيى بن معين بالكذب'' جبکہ ان کے مقابلے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا کلام تو ملاحظہ کر ہی چکے ہیں، مزید امام بخاری، امام عجلی، ابو حاتم، احمد بن حنبل، علی اور ابن نمیر وغیرہ نے توثیق و مدح کی ہے۔ حافظ ذہبی نے ابن عدی، خطیب بغدادی، مسلمہ بن القاسم سے امام نسائی کے کلام کے حوالے سے احمد بن صالح المصری کا بھرپور دفاع نقل کیا ہے۔ دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۱۶۰، موسسۃ الرسالہ

[2] تہذیب التہذیب: ۱/ ۴۳، قال ابن حجر: قلت: وقال الخليلي: اتفق الحفاظ على ان كلام النسائي فيه تحامل۔

ثبوت عدالت
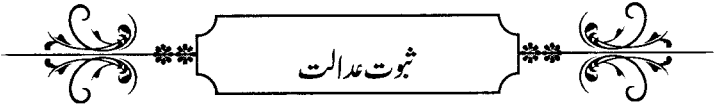
اسی طرح عکرمہ رحمہ اللہ کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کا تبصرہ موجود ہے۔[1] تو کیا ان کے قول کی وجہ سے عکرمہ رحمہ اللہ مجروح قرار دیئے گئے ہیں؟؟

بہر حال ان تمام مثالوں کی روشنی میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ جن کی عدالت معروف ہو ان کے بارے میں کوئی منفرد قول قابل قبول نہیں ہوتا۔

*****

[1] مقدمہ فتح الباری: ۲/۷/۱۱۳، الفصل التاسع ، اسماء من طعن فیه -- الخ ،معن بن عیسی وغیرہ کہتے ہیں: "کان مالك لا یری عکرمة ثقة ویأمر أن لا یؤخذ عنه" یعنی: امام مالک عکرمہ کو ثقہ نہیں سمجھتے تھے اور وہ حکم دیتے تھے کہ ان سے روایت نہ لی جائے۔ اسی طرح ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا" و هو یعنی مالک بن انس سئ الرأی فی عکرمة قال : لا اری لاحد ان یقبل حدیثه" یعنی: امام مالک کی عکرمہ کے بارے میں رائے اچھی نہیں تھی، وہ فرماتے تھے کہ میں کسی کے لئے یہ جائز نہیں سمجھتا کہ وہ عکرمہ سے روایت لے۔ یہی دونوں اقوال تہذیب میں بھی موجود ہیں دیکھئے: تہذیب: ۴/۵۵۱، دارالکتب العلمیة

متساہل معدلین کا تذکرہ

علم جرح وتعدیل کا ایک اہم جزء معدل یا جارح ہے۔اس حوالے سے اصول حدیث میں شروط کو ذکر کیا جاتا ہے، ان کے لحاظ کے بعد ہر امام کی جرح یا تعدیل کا اعتبار ہوگا البتہ بعض معدلین کے بارے میں معروف ہے کہ وہ متساہل ہیں، ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

❶ توثیق راوی کے حوالے سے امام ابن حبان رحمہ اللہ کا تساہل

جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا کہ ائمہ معدلین میں سے ہر امام کی توثیق کا اعتبار ہوگا، بشرطیکہ وہ توثیق کے معاملے میں متساہل نہ ہوں۔ان متساہلین میں سب سے بڑا نام امام ابن حبان رحمہ اللہ کا آتا ہے۔ان کے نزدیک جس راوی سے کوئی ثقہ راوی روایت کرنے والا ہو اور اس پر کوئی جرح نہ کی گئی ہو اور اس کی روایت منکر نہ ہو تو وہ راوی ثقہ ہے۔[1]

امام ابن حبان رحمہ اللہ کے اس اصول پر سب سے پہلے علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ نے الصارم

[1] کتاب الثقات کے مقدمہ میں ابن حبان فرماتے ہیں:" العدل من لم يعرف منه الجرح ضد التعديل فمن لم يعلم بجرح فهو عدل إذا لم يبين ضده" (کتاب الثقات مقدمہ)
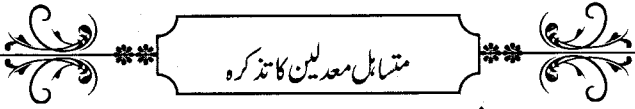
المنکی میں دو تین صفحات پر مشتمل رد کیا۔[1] اور ان کے حوالے سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان کے مقدمے میں اور پہلی جلد کے آخر میں ایوب کے ترجمے میں اس مؤقف پر رد کیا ہے۔[2]

بہر حال یہ اصول کسی کی توثیق ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔

۲ توثیق راوی کے حوالے سے امام حاکم رحمہ اللہ کا تساہل

امام حاکم رحمہ اللہ کے ایک کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مؤقف بھی یہی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا: ''صحیح الاسناد فان ابا صالح الخوزی و ابا المليح الفارسی لم يذكرا بالجرح انما هما فی عدد المجهولين لقلة الحديث''[3]

یعنی: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، ابوصالح الخوزی اور ابوالملیح الفارسی کے بارے میں کوئی جرح مذکور نہیں ہے، یہ دونوں قلتِ حدیث کی وجہ سے مجہولین میں سے شمار ہوں گے۔

مذکورہ قول میں امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح الاسناد کہنے کے بعد ان رواۃ کے بارے میں یہ کہا کہ

---

[1] الصارم المنکی: ۳۴۷ تا ۳۷۶ طبع دار الکتب پشاور، علامہ ابن عبد الھادی رحمہ اللہ نے بعض رواۃ کی مثالیں بھی دی ہیں کہ جنہیں ابن حبان رحمہ اللہ خود کتاب الثقات میں نقل کرتے ہیں اور ان کے احوال سے بے خبر ہوتے ہیں۔ جیسے:

سهل يروي عن شداد بن الهاد، ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ولست أعرفه، ولا أدري من أبوه''

حنظلہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''حنظلة شيخ يروي المراسيل لا أدري من هو''

الحسن ابوعبداللہ کے بارے میں: ''شيخ يروي المراسيل، روى عنه أيوب النجار لا أدري من هو ولا ابن من هو''

جمیل کے بارے میں ''شيخ يروي عن أبي المليح بن أسامة، روى عنه عبد الله بن عون، لا أدري من هو ولا ابن من هو''

یہ چند مثالوں سمیت مزید بحث اس حوالے سے علامہ ابن عبد الھادی رحمہ اللہ نے کی ہے۔

[2] لسان المیزان: جلد ا ص ۹۳، ۹۴، دار المؤید' ترجمة أيوب الأنصاري: (۱۸۶/۲) ترجمۃ ۱۵۳۸۲۔

[3] مستدرک حاکم: ۴۹۱/۱، كتاب الدعاء والتكبير والتهليل والتسبيح والذكر

ان کے بارے میں کوئی جرح منقول نہیں ہے۔تو یہ تقریباً امام ابن حبان رحمہ اللہ والی بات ہی ہے، لہذا جس طرح امام ابن حبان رحمہ اللہ توثیق میں متساہل ہیں، اسی طرح امام حاکم رحمہ اللہ بھی متساہل ہیں۔

❸ کیا امام ابن حبان رحمہ اللہ نے یہ اصول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے لیا ہے؟

بعض حضرات نے خوامخواہ یہاں یہ بات چھیڑ دی ہے کہ ابن حبان رحمہ اللہ نے یہ اصول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے لیا ہے۔[1] حالانکہ امام ابن حبان رحمہ اللہ مجہول کی روایت کو مشروط قبول کرتے ہیں۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے تو انہوں نے یہ اصول کیا لینا ہے وہ تو خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر شدید جرح کرتے ہیں۔[2] بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اپنے شاگرد قاضی ابویوسف اور محمد ابن حسن شیبانی کہتے ہیں کہ مجہول کی روایت قبول نہیں۔[3]

شاگرد تو معترف نہیں ہے، اس کو تو گول کر جاتے ہیں اور آگے ابن حبان رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ اصول امام صاحب سے لیا ہے اور جب ان کی جرح امام صاحب پر دیکھتے ہیں تو پھر پریشانی ہو جاتی ہے۔علاوہ ازیں امام ابن حبان رحمہ اللہ نے مجہول کی مقبولیت میں جو شرطیں ذکر کیں ہیں امام صاحب کے اصول میں ان کا کوئی ذکر نہیں اس لئے یہ تاثر درست نہیں کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے یہ اصول امام صاحب سے لیا ہے۔تو خیر ہر کوئی اپنی اپنی ضرورت کے

---

[1] شرح شرح نخبۃ الفکر لملا علی قاری: ان کی عبارت یہ ہے: [واختار هذا القول،ابن حبان تبعا للإمام الأعظم]۔البتہ استاد محترم حفظہ اللہ کا یہاں اشارہ مولانا ظفر عثمانی صاحب کی طرف ہے، کیونکہ انہوں نے ملا علی قاری ہی کے حوالے سے اس دعوی کو قواعد علوم الحدیث میں اور اعلاء السنن میں بیان کیا ہے، اور ان کے اس دعوی کی علمی انداز میں استاذ محترم اعلاء السنن فی المیزان میں خبر لے چکے ہیں اور اس حوالے سے ان کی تضاد بیانیوں کو بھی بیان کر چکے ہیں۔دیکھئے: اعلاء السنن فی المیزان: ۲۹۵ تا ۲۹۹

ملا علی قاری کے اس قول کو ابوغدہ نے بھی الرفع والتکمیل کے حاشیہ میں پیش کیا۔(۲۴۵)

[2] المجروحین: ۳/۶۱

[3] شرح شرح نخبۃ الفکر لعلی القاری، السرخسی،

لئے حیلہ سازی اختیار کرتا ہے، ہمیں اعتدال والی بات کو لینا چاہئے۔

ثبوتِ عدالت کے حوالے سے جمہور کا مؤقف

امام بزار رحمہ اللہ کا مؤقف یہ ہے کہ اسی طرح جس راوی سے ایک جماعت روایت کرتی ہو تو اس راوی کی عدالت ثابت ہوجاتی ہے۔ بلکہ ابن قطان رحمہ اللہ کا بھی یہی مؤقف ہے، حافظ ذہبی، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہما کا بھی یہی مؤقف ہے۔

اب دیکھئے امام ابن القطان رحمہ اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں: " --من قطع سدرة صوب الله رأسه فی النار- قال: فیه سعید بن محمد بن جبیر لا یعرف حاله روی عنه جماعة ---- فالحدیث لاجله حسن "[1]

جس نے بیری کا درخت کاٹا اللہ تعالی اس کے سر کو جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں سعید بن محمد بن جبیر ہے، اس کا حال معلوم نہیں ہے، اس سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔لہذا اس کی حدیث حسن ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن القطان رحمہ اللہ کا مؤقف وہی ہے جو امام بزار رحمہ اللہ کا ہے۔لیکن وہ اس پر قائم نہ رہے۔دیکھئے وہ فرماتے ہیں: "ما صليت وراء أحد أشبه صلاة برسول الله - صلى الله عليه وسلم -من عمر بن عبد العزيز، فكان يحزر ركوعه قدر عشر تسبيحات، وسجوده كذلك

وسكت عنه، ووهب هذا مجهول الحال، وأظن أن أبا محمد قنع فيه براوية جماعة عنه، فإنه قد روى عنه إبراهيم بن نافع وإبراهيم بن عمر بن كيسان، وهو شيء لا مقنع فيه، فإن عدالته لا تثبت بذلك"[2]

---

[1] بیان الوھم: ۴/ ۵۰۲

[2] بیان الوھم: ۴/ ۱۶۹

متساہل معدلین کا تذکرہ

یعنی ''(مذکورہ روایت پر حافظ عبدالحق رحمہ اللہ نے الاحکام الشرعیۃ الکبریٰ میں) سکوت کیا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ابو محمد (عبدالحق بن عبد الرحمن الإشبيلي) نے ایک جماعت کے روایت کرنے پر قناعت کی ہے، اس کو ابراہیم بن نافع اور ابراہیم بن عمر بن کیسان نے روایت کیا ہے، لیکن یہ (یعنی ایک جماعت کا روایت کرنا) ایسی چیز ہے کہ جس پر قناعت نہیں کی جاسکتی اس سے عدالت ثابت نہیں ہوتی۔''

اب یہاں یہ بات ان کے اپنے مؤقف کے بالکل برعکس ہے، اور یہ اکثر کرتے ہیں۔ بیان الوھم والایھام میں فہرست نکال کر دیکھیں، جہاں وہ کہتے ہیں ''لا تعرف عدالته'' تو وہاں ان کے نزدیک اس کی توثیق ثابت نہیں ہوتی۔ [1]

اسی طرح حافظ ذہبی رحمہ اللہ: (حافظ ذہبی کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں انہوں نے بیان

---

[1] ابن القطان رحمہ اللہ کی مذکورہ اصطلاح کی چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

اسماعیل بن ابراہیم کے بارے میں ''لم تثبت عدالته'' (بیان الوھم: ۴/۴۹۸) جبکہ تہذیب الکمال کے مطابق اس سے روایت لینے والے حاتم بن اسماعیل، زید بن الحباب، سفیان الثوری، فضیل بن سلیمان النمیری، محمد بن عمر الواقدی، وکیع بن الجراح ہیں۔

جعفر بن ابی المغیرہ الخزاعی کے بارے میں ''لم تثبت عدالته انما هو من المساتير'' (بیان الوھم: ۴/۱۹۴) جبکہ ساتھ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ اس سے ابوحاتم کے بقول مطرف بن طریف، اشعث بن اسحاق القمی، ثعلبۃ بن سہل، ابوالسوداء، یعقوب بن عبداللہ القمی، اشعث بن سوار روایت کرتے ہیں۔ بلکہ ان سے روایت لینے والے اور بھی ہیں مثلاً ان کا بیٹا خطاب، حسان بن علی العنزی وغیرہ۔ کمافی التھذیب

خیثمہ بن ابی خیثمہ البصری کے بارے میں ''لم تثبت عدالته وقال ابن معين ليس بشئ'' (بیان الوھم: ۳/۵۴۷) ان سے روایت لینے والے تہذیب الکمال کے مطابق یہ ہیں: بشیر بن سلمان ابو اسماعیل، بلال بن مرداس الفزاری، جابر بن یزید الجعفی، سلیمان الاعمش، منصور بن المعتمر۔

حکیم بن حکیم بن عباد بن حنیف کے بارے میں ''لم تعرف عدالته'' (بیان الوھم: ۳/۵۳۸) جبکہ ساتھ میں یہ بھی کہتے ہیں کہ اگرچہ اس سے سہیل بن أبی صالح، عبدالرحمن بن الحارث اور اس کے بھائی عثمان بن حکیم نے روایت کی ہے۔۔۔۔۔ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

الوھم والایھام پر نقد کیا ہے۔ ابن القطان رحمہ اللہ نے جو وھب بن مانوس کے بارے میں کہا اس حوالے سے کہتے ہیں):خالفک خلق فی ذلک وثقه ابن عبدالبر لکونه ما غمز اصلاً ولا هو مجهول الرواية التقتين عنه۔①

یعنی (وھب بن مانوس کو آپ مجہول کہتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی عدالت ثابت نہیں) حالانکہ آپ کی ایک جماعت نے مخالفت کی ہے۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس کی توثیق کی ہے کیونکہ کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا اور نہ ہی وہ مجہول ہے کیونکہ دو ثقہ اس سے روایت کرتے ہیں۔

گویا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ یہ مؤقف اختیار کئے ہوئے ہیں کہ راوی سے ایک جماعت روایت کرے تو اس کی توثیق ثابت ہو جاتی ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ابوالمثنیٰ کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: وثقه ابن عبدالبر لكونه ما غمز اصلاً ولا هو مجهول الرواية التقتين عنه②

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ) بکر بن عمرو المعافری کے بارے میں ''لم تعلم عدالته'' (بیان الوھم: ۴/ ۶۹) اسی مقام پر یہ بھی کہا کہ اس سے حیوۃ بن شریح، سعید بن ابی ایوب، ابن لہیعۃ، یحیی بن ایوب روایت لیتے ہیں، اور یہ ان شیوخ میں سے ہے جس کے بارے میں وہ (ائمہ) نہیں جانتے پھر احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے یروی عنہ کہا، ابن ابی حاتم سے پوچھا گیا تو انہوں نے شیخ کہا، گویا کہ ان اقوال کے ذکر کرنے کا مقصود یہ ہے کہ اس کے بارے میں کوئی توثیقی کلمات منقول نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسی راوی کے بارے میں ایک جگہ کہا: ''لم تثبت ثقته فی الحدیث'' (۴/ ۴۹۵) گویا کہ پہلے جو عدالت کی نفی کی ہے اس سے مراد توثیق ہے۔

ان کی اس اصطلاح کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی میزان الاعتدال میں نشاندہی کی ہے کما فی الرفع والتکمیل (۲۵۸) طبع مکتبہ شان اسلام

مزید ان کی اس کتاب پر حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے مستقل ایک کتاب میں رد کیا ہے۔ جیسا کہ استاد محترم حفظہ اللہ نے تذکرہ کیا ہے۔

① نقد الذھبی: ۱۰۸

② نقد الذھبی: ۱۰۷

یعنی علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اسے ثقہ کہا ہے کیونکہ اس پر کسی نے جرح نہیں کی اور نہ ہی وہ مجہول ہے کیونکہ اس سے دو ثقہ روایت کر رہے ہیں۔ گویا ابن عبد البر رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ امام ابن القطان، علامہ ابن عبدالبر، حافظ ذہبی رحمہ اللہ، کئی مقامات پر ابن حجر رحمہ اللہ اور کئی ایک مقامات پر تابعین کے دائرے میں شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی قبول کیا ہے کہ جس تابعی سے دو سے زائد ثقہ راوی روایت کرنے والے ہوں اور کسی نے اس کی تعدیل نہ کی ہو تو شیخ البانی رحمہ اللہ اسے بھی تعدیل کے زمرے میں شامل کرتے ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تفسیر سورۃ آل عمران: آیت نمبر ۱۳۵ کے تحت فرماتے ہیں کہ امام علی بن مدینی اور امام ترمذی نے فرمایا کہ اس کی سند درست نہیں۔ ظاہر بات یہ ہے انہوں نے ''مولی ابی بکر'' کی جہالت کی وجہ سے یہ کہا ہے مگر یہ جہالت مضر نہیں کیونکہ وہ کبار تابعی ہے اور اس کا انتساب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ہونا ہی کافی ہے، لہذا یہ حسن ہے، لیکن یہ بھی محل نظر ہے اس لئے کہ صرف سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف انتساب اس کی عدالت کے لئے کافی نہیں۔ اس کے علاوہ دیکھئے سعد مولی ابی بکر ہیں، ابو رجاء مولی ابی بکر، عبید مولی ابن عباس، ابو عقیل مولی عمر ہیں اور ان سب کو مجہول کہا گیا ہے۔

۴ کیا امام عجلی رحمہ اللہ بھی متساہل ہیں؟

یہاں یہ بات بھی قابلِ بیان ہے کہ جس طرح ابن حبان رحمہ اللہ ہیں، ہمارے شیخ عبدالرحمان المعلمی رحمہ اللہ نے اسی دائرے میں امام عجلی رحمہ اللہ کو بھی رکھا ہے۔[1] یعنی انہوں نے امام عجلی رحمہ اللہ

---

[1] علامہ عبدالرحمان المعلمی رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے: [فابن حبان قد يذكر في (الثقات) من يجد البخاري سماه في (تاريخه) من القدماء وإن لم يعرف ما روى وعمن روى ومن روى عنه، ولكن ابن حبان يشدد وربما تعنت فيمن وجد في روايته ما استنكر وإن كان الرجل معروفاً مكثرا والعجلي قريب منه في توثيق المجاهيل من القدماء، وكذلك ابن سعد، وابن معين والنسائي وآخرون] (التنكيل)

متساہل معدلین کا تذکرہ
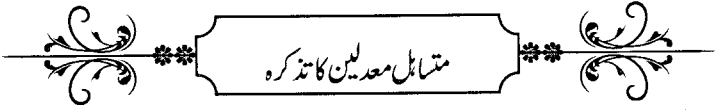
کو متساہلین میں شمار کیا ہے۔ جب ہم حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے کلام کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عجلی رحمہ اللہ متساہل نہیں ہیں۔

مثال کے طور عبداللہ بن فروخ کو ابوحاتم رحمہ اللہ نے مجہول کہا ہے۔[1] لیکن ذہبی رحمہ اللہ نے کہا:

''حدثنا عنه جماعة و وثقه العجلي۔''[2]

جماعت نے اس سے روایت کی ہے اور عجلی رحمہ اللہ نے اسے ثقہ کہا ہے۔ گویا کہ ان کی توثیق کا اعتبار کیا ہے۔

اسی طرح براء بن ناجیہ کے بارے میں ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''فيه جهالة''[3] لیکن ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قلت عرفه العجلي وابن حبان فيكفيه [4]

ابن حبان رحمہ اللہ کی تنہا توثیق کے ابن حجر رحمہ اللہ قائل نہیں لیکن چونکہ ان کے ساتھ عجلی رحمہ اللہ بھی توثیق کرنے والے ہیں تو ان دونوں کی توثیق کا اعتبار یہاں ابن حجر رحمہ اللہ نے کیا ہے۔

اسی طرح سعید بن حیان کے بارے میں ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: لم يقف ابن القطان على توثيق العجلي فزعم انه مجهول [5]

''ابن القطان رحمہ اللہ کو اسکے بارے میں عجلی رحمہ اللہ کی توثیق کا پتہ نہیں چلا اس لئے انہوں نے اسے مجہول سمجھ لیا۔'' ابن حجر رحمہ اللہ کا مذکورہ قول اس حوالے سے کتنا واضح ہے۔ پھر اسی راوی کو ذہبی نے کاشف میں[6] اور ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں[7] ذکر کیا ہے۔ گویا کہ ذہبی اور ابن حجر رحمہما اللہ،

---

[1] الجرح والتعدیل: (۵/ ۱۳۷)، دار الفکر۔ بیروت

[2] میزان الاعتدال: ۲/ ۳۶۳

[3] میزان الاعتدال: ۱/ ۳۱۵، دار الفکر

[4] تہذیب التہذیب: ۱/ ۴۰۱، براء بن ناجیۃ الکاہلی

[5] تہذیب التہذیب: ۲/ ۶۳۱، سعید بن حیان

[6] الکاشف: ۱/ ۳۱۱، طبع دار الفکر بیروت

[7] تقریب التہذیب: (۳۸۶) ترجمۃ ۲۳۰۲، دار العاصمۃ، وقال ابن حجر: وثقه العجلي، من الثالثة.

متساہل معدلین کا تذکرہ

عجلی رحمہ اللہ کی توثیق کو قبول کرتے ہیں۔

ایک مقام اور دیکھئے: عیاش بن ازرق راوی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے العجلی رحمہ اللہ کی توثیق نقل کی اور تقریب میں اسے ثقہ لکھا ہے۔[1]

یسیر بن عمیلہ الفزاری کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''لایعرف۔''[2] ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی توثیق ذکر کی[3] اور تقریب میں اسے ثقہ کہتے ہیں۔[4]

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''كثير بن ابى كثير بصرى زعم عبدالحق تبعا لابن حزم انه مجهول فقد عقبه ابن القطان بتوثيق العجلى''[5]

''کثیر بن ابی کثیر بصری کے بارے میں عبدالحق رحمہ اللہ نے ابن حزم رحمہ اللہ کی پیروی میں کہہ دیا ہے کہ وہ مجہول ہے، لیکن ابن قطان رحمہ اللہ نے عبدالحق رحمہ اللہ کا تعاقب کیا ہے اور کہا ہے کہ عجلی رحمہ اللہ نے اسے ثقہ کہا ہے۔'' گویا کہ ابن القطان، عجلی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق کو تسلیم کرتے ہیں۔

حکم بن عبداللہ البصری کے بارے میں ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ مجہول ہے۔[6]
لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: قلت: ليس بمجهول من روى عنه أربعة ثقات وو ثقه العجلي۔[7]

---

[1] تقریب التہذیب: ۵۲۶۸، ترجمۃ: ۵۳۰۲، دار العاصمۃ

[2] میزان الاعتدال: ۴/ ۴۴۷

[3] تہذیب التہذیب: ۴/ ۴۳۸، مؤسسۃ الرسالۃ

[4] تقریب: ترجمہ نمبر: ۷۸۶۳، صفحہ نمبر: ۱۰۸۷، دار العاصمۃ

[5] تہذیب: کثیر بن أبی کثیر مولی عبدالرحمان بن سمرۃ، (۳/ ۴۶۵)، مؤسسۃ الرسالۃ۔

[6] الجرح والتعدیل، (۳/ ۱۲۲)، دار الفکر۔ بیروت

[7] مقدمہ فتح الباری: ۵۶۷، الحکم بن عبداللہ ابونعمان البصری، دار السلام ریاض
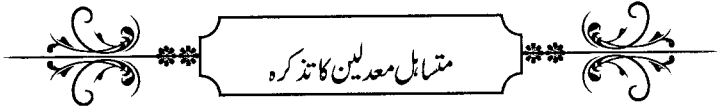
ابن حجر، ذہبی، ابن القطان رحمہم اللہ کی یہ نصوص بتلاتی ہیں کہ امام عجلی رحمہ اللہ کو متساہلین میں شمار نہیں کرنا چاہیے۔

۵ کیا امام دارقطنی متساہل ہیں؟

امام دارقطنی رحمہ اللہ کے بارے میں یہ تاثر دیا جاتا ہے اور یہ تاثر فتح المغیث میں ہے اسی حوالے سے بعض کتابوں میں امام دارقطنی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے:

" ما روى عنه ثقتان فقد ارتفعت جهالته و ثبتت عدالته"[1]

لیکن اس کے ساتھ بھی موافقت مشکل ہے اس لئے کہ یہی عبارت سنن دارقطنی میں موجود ہے۔[2] لیکن اس میں "ثبتت عدالته" کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ "ارتفع عنه اسم الجهالة" کے لفظ ہیں۔ جس سے دوراوی روایت کرنے والے ہوں اس سے جہالتِ عین ختم ہوجاتی ہے۔ لیکن جہالتِ عین ختم ہونے سے کیا ثبوتِ عدالت بھی متحقق ہوجاتا ہے، یہ امر ثانی ہے۔ اب سخاوی رحمہ اللہ کی عبارت کا تقاضا ہے کہ دارقطنی رحمہ اللہ ایسے راوی کی عدالت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔

پہلے تو یہ ہے کہ یہ الفاظ خود مشکوک ہیں کہ یہ الفاظ ثابت بھی ہیں کہ نہیں؟؟

دوسری بات اسی بحث میں جہاں یہ بات امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہی ہے وہاں دوراوی ہیں۔ ام محبہ اور العالیہ ان دونوں کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے مجہول کہا ہے۔ اوران دونوں سے یونس بن ابی اسحاق (بیٹا) اور ابو اسحاق (باپ) دونوں اس سے روایت کرتے ہیں اب دو راوی ہیں اور دودونوں عادل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس کو امام دارقطنی رحمہ اللہ مجہول کہتے ہیں۔[3] اگر دو کے روایت کرنے سے امام دارقطنی رحمہ اللہ کے نزدیک ثبوتِ عدالت ہوتا تو یہاں دونوں باپ بیٹا دونوں ثقہ ہیں ام محبۃ اور عالیہ کو امام دارقطنی مجہول نہ کہتے۔

---

[1] فتح المغیث (۲/ ۲۱۳)، مکتبۃ دار المنہاج

[2] سنن دارقطنی: ۳/ ۱۷۴، کتاب الدیات

[3] سنن دارقطنی: ۳۰۰۲، کتاب البیوع، و عبارته : ام محبة والعالية مجهولتان لا يحتج بهما۔

متساہل معدلین کا تذکرہ

اسی طرح ابوغطفان المری کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے مجہول کہا ہے۔[1]

اسی طرح عبداللہ بن معانق سے تین راوی روایت کرنے والے ہیں، لیکن دارقطنی رحمہ اللہ اس کو بھی مجہول کہتے ہیں۔[2]

لہذا ان تمام مثالوں کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ کی طرف بھی یہ انتساب درست نہیں ہے۔ لہذا انہیں امام ابن حبان رحمہ اللہ کی طرح متساہل نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ توثیق وجرح کے معاملے میں اجتہادی طور پر ان سے خطاء ہوئی ہو، تو یہ بات دوسرے دائرے میں چلی جاتی ہے۔ یہاں بات ہورہی ہے کہ ایک مؤقف بزار اور اکثر اہل علم کا ہے اور دوسرا مؤقف ابن حبان کا اور حاکم رحمۃ اللہ علیہما کا، اس کے ساتھ بعض نے امام دارقطنی اور امام عجلی رحمۃ اللہ علیہما کو بھی شامل کیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔

*****

---

[1] سنن: ۱۸۶۶، ۱۸۶۷، صفحہ نمبر: ۴/ ۵۷ میں دارقطنی نے ابوغطفان المری کے بارے میں ابن ابی داؤد سے نقل کیا ہے۔ البتہ اسے نقل کرنے کے بعد اس کی تردید نہیں کی، گویا کہ خاموش اتفاق کیا ہے، شاید اسی وجہ سے حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے یہ انتساب امام دارقطنی رحمہ اللہ کی طرف کیا ہے۔

[2] تہذیب التہذیب (۲/ ۴۳۶)، مؤسسۃ الرسالۃ.

قرائن التوثیق

کیا ثقہ راوی کا اپنے شیخ کا فقط نام لینا ہی اس کی توثیق ہے؟

بعض حضرات نے یہ بھی اصول بیان کیا ہے کہ اگر کوئی ثقہ راوی اپنے شیخ کا نام لے لیتا ہے تو اس کا نام لینا ہی اس کی توثیق ہے۔

لیکن یہ اس راوی کی توثیق نہیں ہے۔اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس کے نزدیک تو یہ راوی ثقہ ہو اور دوسرے کے نزدیک یہ راوی ثقہ نہ ہو۔لہذا صرف نام لینا قابل اعتبار قرینہ نہیں ہے۔

صرف ثقات سے روایت لینے میں معروف راوی کا روایت لینا توثیق ہے؟

کئی ایک حضرات نے یہ ذکر کیا ہے کہ جو امام "لايروي الا عن ثقة "(یعنی صرف ثقہ سے روایت لینے) میں معروف ہو تو یہ ان کا روایت کرنا مروی عنہ راوی کی توثیق ہے۔جیسا کہ امام شعبہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔ [1]

لیکن یہ اصول بھی حتمی نہیں ہے، کیونکہ:

---

[1] یہ اصول قواعد فی علوم الحدیث میں مولانا ظفر تھانوی صاحب نے اختیار کیا ہے، جس کی خوب خبر سید بدیع الدین شاہ الراشدی صاحب رحمہ اللہ نے نقض قواعد فی علوم الحدیث میں لی ہے۔

قرائن التوثیق

اولاً یہ اصول اغلبی ہے۔لیکن ہر ہر راوی جس سے بھی وہ روایت کرے وہ ثقہ ہے یہ تمام کے بارے میں نہیں ہے۔امام شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لو حدثتکم عن ثقة، ما حدثتکم عن ثلاثة"[1]

اگر میں صرف ثقہ ہی سے روایت کروں تو میں تین راویوں سے روایت نہ کرتا۔

الکفایۃ میں یہی قول خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے تھوڑے اختلاف کے ساتھ ذکر کیا ہے وہاں ثلاثین ہے۔[2] کہاں تین اور کہاں تیس؟؟ خیر تین ہو یا تیس، امام شعبہ رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں ثقہ ہی سے روایت کرتا تو میں ان حضرات سے روایت نہ کرتا۔

بلکہ امام شعبہ رحمہ اللہ کے بارے میں امام حاکم رحمہ اللہ نے معرفۃ علوم الحدیث میں یہ کہا ہے:"انه حدث عن جماعة من المجهولين ۔"[3] امام شعبہ رحمہ اللہ نے مجہولین کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے۔

لہذا شعبہ رحمہ اللہ کی ان سے روایت ان کی توثیق کی دلیل نہ بنا، بلکہ اس سے آگے ہم دیکھتے ہیں کہ امام شعبہ رحمہ اللہ نے اسماعیل بن مسلم الھجری، اشعث بن سوار، جابر بن یزید الجعفی، داود بن یزید الاودی، اسلم بن عطیۃ، محمد بن عبید اللہ العرزمی سے روایت لی ہے اور یہ سب متروک ہیں، بلکہ بعض نے ان راویوں پر کذب کا اور متہم ہونے کا بھی الزام لگایا۔

بلکہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے امام شعبہ رحمہ اللہ کے کئی مشائخ کا تذکرہ کیا ہے، جو متہم بالکذب ہیں

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۷/ ۲۰۹، یہی عبارت تذکرۃ الحفاظ میں بھی ہے۔اور شرح العلل لابن رجب کی عبارت تھوڑی سی مختلف ہے:وکان شعبة يقول: لو لم أحدثكم إلا عن الثقات لم أحدثكم إلا عن نفر يسير

[2] الکفایۃ: ۱/ ۲۹۴، باب ذكر الحجة على أن رواية الثقة عن غيره ليست تعديلا له

[3] معرفۃ علوم الحدیث: ۱۰۶

اور بالاتفاق ضعیف ہیں۔ [1]

اس لئے امام شعبہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ وہ صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں، لیکن ہر ہر راوی کے بارے میں آنکھیں بند کر کے کہہ دینا کہ شعبہ رحمہ اللہ اس راوی سے روایت لینے والے ہیں، لہذا یہ راوی ثقہ ہے۔ یہ عملاً صحیح نہ ہوگا۔

اسی سے معلوم ہوا کہ جب وہ مجاہیل سے بھی روایت کرتے ہیں تو ان کی روایت سے جہالت مرتفع نہیں ہوگی۔

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں [2] لیکن یہ بات بھی اغلبی ہے۔ کیونکہ بہت سے مقامات پر انہوں نے ایسے راویوں سے روایت لی ہے جو قابل اعتبار نہیں ہے۔ مثلاً نصر بن باب، تلید بن سلیمان، کثیر بن مروان السلمی، ابراہیم بن ابی لیث، علی بن مجاھد الکابلی (یہ وہ راوی ہیں جنہیں متروک کہا گیا ہے۔)، خالد بن نافع الاشعری قال ابوداؤد متروک اور امام ابوداؤد امام احمد کے شاگرد ہیں اور مسائل ابی داؤد کے راوی ہیں، بلکہ روایت کے اصول پر بھی انہوں نے موافقت کی ہے۔ حافظ الذھبی نے یہاں ایک تعلیق لگائی ہے۔

---

[1] السلسلة الضعيفة: ۸۸۱

[2] الصارم المنکی میں بھی اس پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن عبدالھادی رحمہ اللہ نے یہی فرمایا کہ امام احمد، شعبہ، مالک، عبدالرحمان بن مھدی، یحیٰ بن سعید القطان وغیرہ سے متعلقہ یہ اصول اغلبی ہے۔ اور پھر امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''وقد يروي الإمام أحمد قليلاً في بعض الأحيان عن جماعة نسبوا إلى الضعف وقلة الضبط على وجه الاعتبار والاستشهاد لا على طريق الاجتهاد والاعتماد مثل روايته عن عامر بن صالح الزبيري ، ومحمد بن القاسم الأسدي ، وعمر بن هارون البلخي ، وعلي بن عاصم الواسطي ، وإبراهيم بن الليث صاحب الأشجعي ، ويحيى بن يزيد بن عبد الملك النوفلي ، ونصر بن باب وتليد بن سليمان الكوفي ، وحسن بن حسن الأشقر ، وأبي سعيد الصاغاني ، ومحمد بن ميسرونحوهم ممن اشتهر الكلام فيه'' (الصارم المنکی: ۲۲۱)

"هذا تجاوز فی الحد فان الرجل قد حدث عنه احمد فلا یستحق الترک ۔"

"یہ حد سے تجاوز ہے، اس راوی سے امام احمد نے روایت لی ہے، یہ ترک کا مستحق نہیں ہے۔"[1]

یہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا تاثر ہے، لیکن یہ صرف خالد بن نافع کا مسئلہ نہیں ہے کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ نے دیگر ایسے راویوں سے بھی روایت لی ہے جنہیں متروک کہا گیا۔

لہذا یہ اصول بھی حتمی نہیں ہے۔ بلکہ اغلبی ہے۔ کیونکہ بہت سے رواۃ کے بارے میں یہ اصول صادق نہیں آتا۔[2]

مجتہد کا روایت و عمل کرنا صحت کی دلیل ہے؟

جب ایک مجتہد روایت کرے اور اس روایت پر اس کا عمل ہو اور اس کا فتوی ہو تو بعض حضرات نے کہا کہ یہ دلیل ہے کہ اس کے نزدیک وہ روایت صحیح ہے اور اس کے راوی بھی ثقہ ہیں۔

لیکن حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اس اصول کی نفی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب امام کا کوئی روایت بیان کر کے عمل نہ کرنا اس کے نزدیک روایت کے ضعف کی دلیل نہیں ہے تو روایت بیان

---

[1] میزان الاعتدال: ۱/ ۶۴۴

[2] استاد محترم نے یہاں صرف امام احمد اور شعبہ کی بات کی ہے ورنہ اس حوالے سے چند دیگر نام بھی لئے جاتے ہیں ، جیسا کہ اس حوالے سے امام مالک ، یحی بن سعید القطان ، عبدالرحمان بن مھدی کے بارے میں ایسے اقوال پیش کئے ہیں۔ بہرحال ان مذکورہ ناموں کے بارے میں بھی یہی اصول پیش نظر رکھا جائے گا۔ اسی طرح قواعد فی علوم الحدیث میں اس حوالے سے کچھ مزید نام بھی شامل کر دیئے ، جس کے یقیناً خاص مقاصد تھے ، اور سید بدیع الدین شاہ راشدی صاحب رحمہ اللہ نے اس کا نقض قواعد فی علوم الحدیث میں مدلل جائزہ لیا ہے۔

کر کے اس پر عمل اس کے صحیح ہونے کی دلیل کیسے ہوسکتا ہے؟[1]

بالخصوص امام احمد اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہما کا موقف تو یہ ہے کہ ضعیف روایت پر قیاس کے مقابل میں عمل کیا جائے گا۔[2] تو جب اصول ہی ان کے نزدیک یہ ہو تو کیسے یہ اصول بن جائے گا کہ روایت ان کے یہاں صحیح ہے۔

توثیق ضمنی، نسبی

یہ مسئلہ بھی بڑا اہم ہے اس حوالے سے بعض حضرات سے بڑی بڑی غلطیاں ہوگئی ہیں۔

توثیق ضمنی

محدثین ایک جماعت کی روایت ذکر کرتے ہیں اور نام لیتے ہیں کہ اسے فلاں فلاں نے روایت کیا ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب روایت کرنے والے ثقہ ہیں۔ اب یہ جو توثیق کی گئی ہے تو کیا یہ توثیق فرداً فرداً سب کی توثیق متصور ہوگی؟؟

مثال کے طور پر امام دارقطنی رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور ہر اعضاء کو تین تین مرتبہ دھویا حتی کہ سر کا مسح بھی تین مرتبہ کیا۔[3] اب اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت درست نہیں ہے۔

---

[1] مقدمۃ ابن الصلاح

[2] امام ابوداؤد کے بارے میں ابن مندہ فرماتے ہیں: ویخرج الاسناد الضعیف اذا لم یجد فی الباب غیرہ لانہ اقوی عندہ من رأی الرجال (مقدمہ ابن الصلاح، النوع الثانی، معرفۃ الحسن من الحدیث، التقیید والایضاح: النوع الثانی، معرفۃ الحسن من الحدیث، تدریب الراوی: ۱/ ۱۰۳، دار العاصمۃ)

امام احمد کے موقف کے لئے دیکھئے (تدریب الراوی: ایضاً)

[3] الدارقطنی : ۲۹۳، باب صفۃ وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، باب صفۃ وضوء رسول اللہ ﷺ، طبع دارالمعرفۃ مع التحقیق والتعلیق ، الشیخ عادل احمد عبدالموجود، الشیخ علی محمد معوض

قرائن التوثیق

کیونکہ یہ روایت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ خالد بن علقمہ سے بیان کرتے ہیں اور وہ مسح برأسه ثلاثۃ لفظ بیان کرتے ہیں جبکہ: ''خالفه جماعة من الحفاظ الثقات منهم زايده بن قدامة و سفيان الثورى و شعبة و ابوعوانة و شريك و ابوالاشهب جعفر بن الحارث ---- و حجاج بن ارطاة و ابان بن تغلب'' [1]

ایک ثقہ جماعت نے امام صاحب کی مخالفت کی ہے، ان میں زائدہ بن قدامہ، الثوری، شعبہ ابوعوانۃ، شریک، ابوالاشھب جعفر بن الحارث ------ حجاج بن ارطاۃ، ابان بن تغلب ہیں۔

اب اس سے بظاہر یہ مفہوم نکلے گا کہ حجاج بن ارطاۃ کو بھی انہوں نے ثقہ اور حفاظ میں شامل کیا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ توثیق ضمنی ہے، کیا حجاج بن ارطاۃ، ابوالاشھب جعفر بن الحارث کو ثقہ سمجھا جائے گا؟ جبکہ حجاج بن ارطاۃ کو انہوں نے ''ضعيف لايحتج به'' اور جعفر بن الحارث کو ''يعتبر به'' کہا۔ [2]

اب کہاں ثقہ؟ اور یعتبر بہ کا درجہ؟ ان کے درمیان درجے کے اعتبار سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اب یہاں ایسے موقع پر اس نوعیت کی بنیاد پر ہر ہر راوی کو ثقہ نہیں سمجھا جائے گا۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ بعض حضرات نے امام دارقطنی رحمہ اللہ پر اعتراضات کئے ہیں ان میں یہ اعتراض بھی ہے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ کسی راوی کو کسی جگہ یہ کہتے ہیں اور کسی جگہ یہ کہتے ہیں؟؟

لیکن یہ اعتراض حقیقتاً امام دارقطنی رحمہ اللہ کے اصول سے بے خبری کی وجہ سے ہے۔ یہ اسی قبیل کا مسئلہ ہے، جیسے کہتے ہیں کہ ''لايشقى جليسهم'' (یعنی ان کا ساتھی بدبخت نہیں) یہ اسی نوعیت کا معاملہ ہے یہ نہیں کہ ہر ایک کی فرداً فرداً توثیق ہے۔

---

[1] الدارقطنی: ۲۹۸، باب صفة وضوء رسول الله صلى الله عليه وسلم

[2] تہذیب: حجاج بن أرطاة، (۱/۳۵۶)، موسسۃ الرسالۃ

قرائن التوثیق
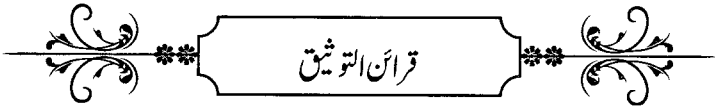
اسی طرح مسئلہ ہے کہ نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟؟ اس روایت کو ذکر کرتے ہوئے امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فهؤلاء خمسة ثقات رووه عن قتادة عن ابى العالية مرسلاً" [1]

پانچ ثقہ راوی اس روایت کو مرسل بیان کرتے ہیں، معمر، ابوعوانۃ، سعید بن ابی عروبہ، سعید بن بشیر، حالانکہ خود امام دارقطنی رحمہ اللہ نے سعید بن بشیر کو لیس بقوی فی الحدیث قرار دیا ہے۔[2] لیکن اکٹھا ذکر کرنے کی وجہ سے ضمناً ثقہ کہہ دیا ہے، تو اس قسم کی توثیق ضمنی بھی ہر ہر راوی کی توثیق کو متضمن نہیں ہوتی۔

ایک اور مثال

امام مالک رحمہ اللہ مؤطا میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رفع الیدین کے حوالے سے روایت لائے ہیں، وہاں رکوع کے وقت رفع الدین کا ذکر نہیں ہے۔ اس کے متعلق تفصیل بیان کرتے ہوئے، امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔" حدث به عشرون نفراً من الثقات الحفاظ" (یعنی بیس کے قریب ثقہ راوی اس روایت کو روایت کرتے ہیں جو رفع الیدین رکوع کے وقت ذکر کرتے ہیں۔) منهم محمد بن الحسن الشيبانى، و يحى بن سعيد الخ[3]

---

[1] جن پانچ راویوں کے بارے میں یہ بات کہی ہے، ان کے نام یہ ہیں: معمر، ابوعوانۃ، سعید بن ابی عروبۃ، سعید بن بشیر دارقطنی: ۵۹۹، ۱/ ۳۸۵، طبع دارالمعرفۃ

[2] سنن: ۱/ ۳۸۵، تحت حدیث نمبر: ۵۹۹، طبع دارالمعرفة مع التحقيق والتعليق ، الشيخ عادل احمد عبدالموجود، الشيخ على محمد معوض ،

[3] نصب الراية: ۱/ ۴۰۸، ۴۰۹، (نقلاً من غرائب مالک)، و عبارته: وكذلك قال الدارقطني في غرائب مالك: إن مالكا لم يذكر في الموطأ الرفع عند الركوع، وذكره في غير الموطأ، حدث به عشرون نفرا من الثقات الحفاظ: منهم محمد بن الحسن الشيباني. ويحيى بن سعيد القطان. وعبد الله بن المبارك. وعبد الرحمن بن مهدي. وابن وهب. وغيرهم

قرائن التوثیق

محمد بن حسن الشیبانی کا ترجمہ لسان المیزان میں اور ان پر امام دارقطنی رحمہ اللہ کی جرح بھی دیکھ لیں۔ [1]

اب محمد بن حسن الشیبانی کو اس وجہ سے من الثقات الحفاظ سمجھا جائے جیسا کہ بعض نے سہارا لیا ہے۔ [2]

خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کی ضمنی توثیق کا حتمی اور یقینی طور پر اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اس حوالے سے ان کا مفصل اور بنیادی قول دیکھنا چاہئے۔

صرف صحیح روایات پر مشتمل کتاب میں راوی کی روایت کا ہونا

اسی طرح ایک اصول یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ حضرات جنہوں نے شرط لگائی کہ ہم اپنی کتاب میں صحیح روایت درج کریں گے، اور صرف ثقات کی روایت لائیں گے جیسا کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن السکن وغیرہ تو اس کتاب میں کسی راوی کی روایت منقول ہونا یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ راوی ان کے ہاں قابل اعتبار ہے۔

مثال کے طور پر حافظ ذہبی رحمہ اللہ الموقظۃ میں ذکر کرتے ہیں:

---

[1] لسان المیزان: وقال الدار قطني: لا يستحق الترك، (٦ / ١٩٢)، دار المؤيد

تنبیہ: لا یستحق الترک کا معنی یہ نہیں ہے کہ اگر وہ متروک نہیں ہے تو ثقہ ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ ضعیف تو ہے مگر متروک کے درجے کا نہیں۔ مزید یہ کہ سوالات البرقانی میں ہے کہ ان سے ابو یوسف کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: هو اقوى من محمد بن الحسن (سوالات البرقانی: ٥٦٧) سوالات السلمی میں ہے: في حديثهما ضعف (سوالات السلمی: ٣٣٨)

[2] استاد محترم حفظہ اللہ کا یہاں بعض کہہ کر جس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب ہیں، انہوں نے قواعد فی علوم الحدیث میں یہ بات کہہ دی ہے، اور اس بارے میں شاہ صاحب رحمہ اللہ بھی نقض قواعد فی علوم الحدیث میں جواب دے چکے ہیں۔

قرائن التوثیق

" فإن خُرِّج حديثُ هذا في "الصحيحين"، فهو مُوَثَّق بذلك. وإن صَحَّح له مثلُ الترمذيِّ وابنِ خزيمة، فجيِّدٌ أيضاً "[1]

جس سے امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے روایت لی، اس کی توثیق ہوگئی۔ لیکن اگر اس کی روایت کو ابن خزیمہ، ترمذی رحمہما اللہ نے بھی صحیح قرار دیا تو وہ روایت جید ہوگی۔ مثلاً عبداللہ بن عبدالرحمان کے ترجمے میں ابن حجر رحمہ اللہ، تہذیب التہذیب میں کہتے ہیں: " اخرج له ابن خزیمة فی صحیحه یدل علی انه عنده ثقة "[2]

کیا توثیق میں ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا موقف ابن حبان رحمہ اللہ جیسا ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان کے مقدمے میں یہ بات کہہ دی ہے کہ ابن حبان رحمہ اللہ نے جس طرح ثقہ راوی کے بارے میں ایک اصول بیان کیا ہے، یہ اصول انہوں نے ابن خزیمہ رحمہ اللہ سے لیا ہے اور ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا بھی یہ موقف ہے کہ جب ایک راوی سے ثقہ روایت کرنے والا ہو اور کسی نے اس پر جرح ونقد نہ کیا ہو تو وہ راوی ثقہ ہے، جیسا کہ ابن حبان رحمہ اللہ کا اصول ہے۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی طرف یہ انتساب کر دیا۔ لیکن اگر آپ صحیح ابن خزیمہ کا مطالعہ فرمائیں، تو کئی ایک مقامات پر آپ یہ دیکھیں گے کہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ راوی ایسا ہے کہ " لم اعرف فیه جرحا ولا تعدیلا، و فی القلب منه شیٔ " میں نے اس راوی کے بارے میں کوئی جرح وتعدیل نہیں دیکھی۔ البتہ میرے دل میں اس راوی کے بارے میں

---

[1] الموقظة: ۱/۷۸

[2] تہذیب التہذیب: ۲/۳۸۱

[3] لسان المیزان: مقدمہ، ۱/۷۳، دارالمؤید، عبارته: وکان عند بن حبان ان جهالة العین ترتفع بروایة واحد مشهور وهو مذهب شیخه بن خزیمة

کچھ خطرات ہیں۔ [1]

اگر امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا یہی اصول ہوتا جو ابن حبان رحمہ اللہ کا ہے تو صحیح ابن خزیمہ میں بار ہا مقامات پر یہ بات نہ کہتے۔ اس لئے ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان کے مقدمے میں جو کہا ہے، وہ محل نظر ہے۔ حالانکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ خود کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عبدالرحمان اخرجه ابن خزيمة في صحيحه يدل على انه ثقة عنده " اور یہی تبصرہ عبداللہ بن عتبیہ کے بارے میں بھی کیا ہے۔ [2] اور یہی بات عبدالرحمان بن خالد کے ترجمے میں کہی کہ ان سے ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے روایت لی ہے اور یہ دلیل ہے کہ ان کی توثیق ہے۔ [3]

یہ ساری باتیں اس بات کی تردید کرتی ہیں جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لسان المیزان کے مقدمے میں ان کی طرف منسوب کی ہیں۔

---

[1] اس کی مثال کے لئے لسان المیزان ہی میں ہے قاسم بن عبدالرحمن الانصاری کے ترجمے میں حافظ ابن خزیمہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کے بارے میں کہا ہے في القلب من القاسم۔ اور اگلے ہی ترجمہ ایک اور قاسم بن عبدالرحمان عن ابیه عن ابي هريرة کے نام سے قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وہی انصاری ہے جس کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ مجہول ہے۔ اسے ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (لسان المیزان: ترجمہ نمبر: ۶۷۱۹، ۶۷۲۰۔ صفحہ ۶/۴۳)

اسی طرح لسان المیزان میں حملة بن عبدالرحمن ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں: "قال ابن خزيمة لست أعرفه وذكره ابن حبان في الثقات" (لسان المیزان: ترجمہ نمبر: ۳۰۳۸، ۳/۱۹۴)

اسی طرح ایک راوی عمرو بن حمزۃ العبسی کے بارے میں حافظ رحمہ اللہ خود لکھتے ہیں: قال ابن خزيمة لا أعرفه بعدالة ولا جرح وذكره ابن أبي حاتم ولم يذكر فيه جرحا ولا تعديلا وذكره ابن حبان في الثقات (لسان المیزان: ترجمہ نمبر: ۶۳۴۵، ۵/۳۵۰)

[2] تہذیب التہذیب: (۲/۳۸۱)، عبداللہ بن عتبیة بن أبی سفیان

[3] تعجیل المنفعة: ۲۴۸، ترجمہ عبدالرحمان بن خالد

قرائن التوثیق

کیا امام ترمذی رحمہ اللہ کی تحسینِ حدیث، رواۃ کی توثیق ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تعجیل المنفعہ میں عبداللہ بن عبید الدیلی کے ترجمے میں کہہ دیا ہے کہ [قال الترمذي حسن غريب و هذا يقتضي انه عنده صدوق معروف] [1]
یعنی: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس (حدیث کو جس کی سند میں یہ راوی موجود ہے) کو حسن غریب کہا ہے اور اس کا تقاضہ ہے کہ عبداللہ بن عبید الدیلی امام ترمذی رحمہ اللہ کے یہاں صدوق معروف ہیں۔ گویا کہ جس طرح تصحیح کے بارے میں ہے، ویسے ہی تحسین کے بارے میں بھی ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے، اس لئے درست نہیں ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک حسن کی تعریف دوسرے محدثین سے مختلف ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ روایت کی تحسین، متابعات اور شواہد کے طور پر بھی کر دیتے ہیں۔ [2] اس لئے ان کے یہاں روایت کی تحسین راوی کی توثیق نہیں، البتہ ان کی تصحیح، راوی کی توثیق کی دلیل ہے۔

لہذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے گو کہہ دیا ہے، لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ کے اپنے اصول کے تناظر میں امام ترمذی رحمہ اللہ کی تنہا حدیث کی تحسین راوی کی توثیق کی دلیل نہیں ہوگی۔

---

[1] تعجیل المنفعۃ: عبداللہ بن عبید الدیلی کا ترجمہ دیکھیں۔

[2] اس کی مثال کے طور پر یہ حدیث ہے: "عن أبي حاتم المزني قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »إذا جاءكم من ترضون دينه وخلقه فأنكحوه، إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد«، قالوا: يا رسول الله، وإن كان فيه؟ قال: »إذا جاءكم من ترضون دينه وخلقه فأنكحوه«، ثلاث مرات" (جامع ترمذی: ۱۰۸۵) امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: "هذا حديث حسن غريب" حالانکہ اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن ھرمز راوی ہے، جسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ضعیف من السادسۃ کہتے ہیں۔ اس حدیث سے پہلے ہی اسی مفہوم کی حدیث سیدنا ابو ہریرہ سے لائے اور لکھا کہ "وفي الباب عن أبي حاتم المزني، وعائشة" گویا کہ ابو حاتم المزنی کی مذکورہ روایت کی تحسین بر بنائے شاہد یا متابعت کے ہے۔

اسی طرح امام ابن القطان رحمہ اللہ نے بیان الوھم والایھام میں اور زیلعی نے نصب الرایہ میں بھی کہی ہے،[1] "فی تصحیح الترمذی ایاہ توثیقھا۔" راوی کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کی تصحیح کی ہے اور یہ تصحیح اس راوی کی ان کے نزدیک توثیق کی دلیل ہے۔

مستخرج کی روایت، راوی کی توثیق

مستخرجات کی روایات، بشرطیکہ وہ مستخرج زوائد پر مبنی نہ ہو، اس مستخرج کی روایت کے راوی بھی توثیق اور تعدیل کے لئے قرینہ ہونگے۔ لیکن اگر وہ زوائد پر مبنی ہو جیسا کہ ابی عوانہ ہے، ابی عوانہ میں بہت سی روایات صحیح مسلم سے زائد بھی ہیں۔ اسی طرح ابو علی النیسابوری رحمہ اللہ کی مستخرج میں بھی زوائد ہیں۔[2] اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ زوائد روایات میں ایسے راوی بھی موجود ہیں جو قابل اعتبار نہیں ہیں۔[3] البتہ وہ مستخرج جو صحیح روایت کے حوالے سے ہو وہ راوی کی توثیق کے لئے قرینہ بن جائے گی۔

---

[1] بیان الوھم والایھام: ۲۵۶۲، ۵/ ۳۹۴، نصب الرایۃ: باب العدۃ، ۳/ ۲۶۴

[2] ابو علی الحسین بن محمد بن احمد بن محمد بن الحسین بن عیسی بن ماسرجس النیسابوری، (المتوفی ۳۶۵) حافظ ذہبی رحمہ اللہ سیر میں ان کے ترجمے میں لکھتے ہیں: " الحافظ الکبیر، الثبت، الجوال، الإمام" (سیر اعلام النبلاء) ان کی مستخرج صحیحین پر ہے۔

[3] ۱۴۷، ۱۴۸ طبع مکتبۃ الفرقان سنہ ۲۰۰۳ء

قرائن التوثیق

امام حاکم کے قول شرط صحیحین یا شرط بخاری کی وضاحت

جن محدثین نے مستخرجات و مستدرک وغیرہ پر لکھا ہے، جیسا کہ امام حاکم [1]، ابو نعیم [2] ابو احمد [3]، ابو علی [4] نے لکھا ہے، مستخرج کے حوالے سے یہ بات قابلِ غور ہے کہ مستخرج یا مستدرک کی سند، جو مصنف سے لے کر اس راوی تک ہے جس راوی کے ساتھ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی سند ملتی ہے۔ ظاہر بات ہے اس سے پہلے تک دو یا تین واسطے ہیں۔ امام حاکم رحمہ اللہ اکثر کہہ دیتے ہیں کہ یہ شرطِ بخاری پر ہے، تو کیا وہ ساری سند شرط بخاری و مسلم پر ہے؟

امام عراقی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ تمام راوی صحیح کے درجے کے ہیں۔ [5] لیکن حافظ عراقی رحمہ اللہ

---

[1] امام حاکم کی کتاب کا نام مستدرک حاکم ہے۔

[2] احمد بن عبداللہ بن احمد الاصبھانی، ابونعیم (التوفی ۴۳۰) حافظ ذہبی رحمہ اللہ انکے بارے میں تاریخ اسلام میں فرماتے ہیں: " كان أحد الأعلام ومن جمع الله له بين العلو في الرواية والمعرفة التامة والدراية، رحل الحفاظ إليه من الأقطار، وألحق الصغار بالكبار "ان کی مستخرج علی صحیح البخاری بھی ہے اور مستخرج علی صحیح مسلم بھی ہے۔

[3] محمد بن ابی حامد بن الحسین بن القاسم بن الغطریف بن الجہم الغطریفی (التوفی سنۃ ۳۷۷ھ) ان کی مستخرج علی صحیح البخاری ہے۔

[4] حسین بن محمد بن احمد بن محمد بن الحسین الماسرجسی النیسابوری (التوفی سنۃ ۳۶۵ھ) ان کی مستخرج علی الصحیحین

[5] التقیید والایضاح: ۱/ ۳۰، النوع الاول من انواع علوم الحدیث، علامہ عراقی ابن الصلاح پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "الأمر الثانى أن قوله ما رآه على شرط الشيخين قد أخرجا عن رواته في كتابيهما فيه بيان أن ما هو على شرطهما هو ما أخرجا عن رواته في كتابيهما ولم يرد الحاكم ذلك فقد قال في خطبة كتابه المستدرك وأنا أستعين الله تعالى على اخراج أحاديث رواتها ثقات قد احتج مثلها الشيخان أو أحدهما فقول الحاكم بمثلها أى بمثل رواتها لا بهم أنفسهم ويحتمل أن يراد بمثل تلك الاحاديث وفيه نظر۔"

کی یہ رائے درست نہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے النکت میں اس پر نقد کیا ہے۔[1]

صحیح بات اس بارے میں یہی ہے کہ اس سے مراد (یعنی علی شرط البخاری) اس (بخاری) کے راوی ہیں۔ جب راوی ہیں تو پھر پچھلی سند زیر بحث آئے گی۔ (یعنی جو مصنف سے لے کر اس راوی تک ہے جس راوی کے ساتھ صحیح بخاری کی سند ملتی ہے۔) اس سند کو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بھی شرط بخاری پر ہے۔ اور تصحیح و تحسین کے حوالے سے مزید ضمنی چیزیں بھی ملحوظ رکھی جائیں گی۔

*****

---

[1] النکت: ۱/۲۷۱، علامہ عراقی کے مذکورہ کلام پر نقد کرتے ہوئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''قلت: لكن تصرف الحاكم يقوي أحد الاحتمالين اللذين ذكرهما شيخنا - رحمه الله تعالى- فإنه إذا كان عنده الحديث قد أخرجا أو أحدهما لرواته قال: "صحيح على شرط الشيخين أو أحدهما وإذا كان بعض رواته لم يخرجا له قال: صحيح الإسناد حسب.

ويوضح ذلك قوله - في باب التوبة - لما أورد حديث أبي عثمان عن أبي هريرة - رضی اللہ عنہ - مرفوعا: "لا تنزع الرحمة إلا من شقي". قال: هذا حديث صحيح الإسناد "وأبو عثمان هذا ليس هو النهدي ولو كان هو النهدي لحكمت بالحديث على شرط الشيخين".

فدل هذا على أنه إذا لم يخرجا لأحد رواة الحديث لا يحكم به على شرطهما وهو عين ما ادعى ابن دقيق العيد وغيره. وإن كان الحاكم قد يغفل عن هذا في بعض الأحيان، فيصحح على شرطهما بعض ما لم يخرجا لبعض رواته، فيحمل ذلك على السهو والنسيان ويتوجه به حينئذ عليه الاعتراض. - والله أعلم''

جرح کیسے ثابت ہوگی؟ اس حوالے سے کئی ایک اسباب ہیں جنہیں ملحوظ رکھا جائے جو کہ درج ذیل ہیں:

❶ عدالت مجروح ہونے کا پہلا سبب

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جس راوی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے ایک بار بھی جھوٹی روایت بیان کی ہے یا کبھی جھوٹ بولا ہے اس کی روایت قابل قبول نہیں، اس کی عدالت مجروح ہے۔ بالخصوص جو جھوٹی روایت بیان کرتا ہے۔

کذاب راوی کی توبہ اور عدالت کا مسئلہ

یہاں یہ مسئلہ بھی اہم ہے کہ جس نے جھوٹ بولا، حدیث گھڑی ہے۔ اب کبھی اس نے توبہ کر لی، کئی ایک وضاعین نے توبہ کی ہے۔ اب توبہ کرنے کے بعد کیا اس کی عدالت ثابت ہوگئی، یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ اکثر اصولیین کہتے ہیں کہ توبہ کے بعد گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ جس طرح شرک و کفر سے بھی توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ تو جھوٹی روایت کا گھڑنا بھی معاف ہو جاتا ہے۔ لہذا اس کی عدالت بھی ثابت ہو جائے گی۔ لیکن امام ثوری، ابن مبارک رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ اس کی توبہ ہو جانے کے بعد بھی اس روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کی عدالت ثابت نہیں ہوگی اور مجروح ہی رہے گی۔ [1] علامہ صنعانی رحمہ اللہ نے توضیح الافکار میں تفصیلی بات کی ہے کہ توبہ

---

[1] خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے یہ مؤقف احمد بن حنبل، عبد اللہ بن المبارک، سفیان الثوری، عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی ودیگر سے یہ مؤقف بیان کیا ہے۔ (الکفایۃ: ۱۹۰، ۱۹۱)

ثبوتِ جرح

کے بعد اس کی عدالت متحقق ہوجائے گی۔[1] لیکن حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، اس لئے نہیں کہ اس جھوٹے کی توبہ کا اعتبار کب کیا جائے گا؟؟ اگر اعتبار ہے تو وہ اللہ کے ساتھ ہے لیکن جہاں تک روایت کا معاملہ ہے وہاں اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے زیاد بن میمون کے ترجمے میں بڑی عجیب بات کہی ہے۔ وہ کہتا ہے: استغفر اللہ وضعت ھذہ الاحادیث اللہ مجھے معاف فرمائے میں نے یہ احادیث وضع کی ہیں۔[2]

اب یہ اس نے اعتراف بھی کیا اور بخشش بھی چاہی۔ لیکن ابو داؤد اور عبدالرحمان بن مہدی رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ زیاد نے کہا کہ اتوب لیکن ہم نے اس کو دیکھا کہ توبہ کے باوجود وہ جھوٹی روایتیں بیان کرنے سے باز نہیں آیا۔[3] اسی بنیاد پر حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جھوٹے کی توبہ کا اعتبار ہم کیسے کریں؟ کیونکہ ہمیں ایسے جھوٹے نظر آتے ہیں جو توبہ کے بعد بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آتے۔ رہا اس کا توبہ کرنا اور اللہ کا معاف کرنا یہ معاملہ آخرت کا ہے ہم تو اپنے تجربے میں یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے سامنے بعض ایسے رواۃ موجود ہیں کہ جنھوں نے جھوٹ بولا اور توبہ بھی کی اور جھوٹی روایتیں بھی بیان کرتے رہے۔

❷ عدالت مجروح ہونے کا سبب تہمت بالکذب

اسی طرح دوسری صورت یہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ تو نہیں بولتا لیکن آپس میں جھوٹ بولتا ہے، دیکھیں محدثین نے کتنا فرق کیا ہے؟ ایک ہے کذاب جو جھوٹی روایتیں بیان کرتا ہے اور ایک ہے متہم بالکذب جو جھوٹی روایتیں تو بیان نہیں کرتا لیکن آپس کی گفتگو میں جھوٹ بولتا ہے۔ محدثین کا کتنا انصاف ہے؟ جتنا کسی کا جرم ہے اتنا ہی اس کے کھاتے میں ڈالتے ہیں اس سے بڑھ کر اسے مکلف نہیں ٹھہراتے۔

---

[1] توضیح الأفکار

[2] میزان الاعتدال: ۲/ ۷۴، زیاد بن میمون الثقفی الفاکھی

[3] میزان الاعتدال: ۲/ ۷۵

ثبوتِ جرح
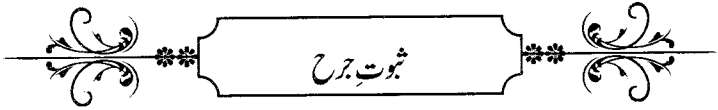
کذاب کے لفظ کا ''خطا'' کے معنی میں استعمال

کذاب کا لفظ اور متہم بالکذب کا لفظ اہل حجاز کے یہاں بسا اوقات خطا پر بھی بولا جاتا ہے۔ جہاں کذاب کا لفظ آپ دیکھیں تو یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ راوی کذاب ہے بلکہ اس کی تفصیل اور نوعیت معلوم کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ خطا اور غلطی پر اہل حجاز بالخصوص اور ائمہ جرح والتعدیل علی الاطلاق اس کا استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ ایک حدیث میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے۔حاملہ متوفی عنها زوجها کی عدت کیا ہے؟ بعض نے کہا کہ ابعد الاجلين (یعنی دو مدتوں میں سے لمبی والی مدت) گزارے۔ یہی واقعہ نبی ﷺ کے دور میں ہوا اور ابوالسنابل نے یہی بات کہی، مسند احمد میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: كذب ابوالسنابل۔[1] اب یہاں کذب کا معنیٰ جھوٹ بولنا نہیں بلکہ خطا کے معنی پر بولا گیا ہے۔اور یہ کذب کا لفظ تاج العروس میں نکالیں، انہوں نے وضاحت کی ہے کہ [أهل الحجاز، يقولون: كذبت بمعنى أخطأت] یعنی: اس کا اطلاق ائمہ کے نزدیک اہل حجاز کے نزدیک خطا اور وہم پر بھی ہوتا ہے۔[2] اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ

---

[1] مسند احمد ، حديث نمبر ۴۲۷۳، (۳۰۵/۷) مؤسسة الرسالة، عن عبد الله بن مسعود، نسخه موسوعه مع التحقيق والتخريج للشيخ شعيب الارناووط

[2] صاحب تاج العروس ابن الانباری کا قول پیش کرتے ہیں کہ کذب پانچ اقسام کی طرف منقسم ہوتا ہے،اور پھر تیسرا معنی یہی بتلاتے ہیں کہ ''الثالث بمعنى الخطأ وهو كثير في كلامهم'' پھر اس تیسرے معنی کا استعمال بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وعلى الثالث خرجوا حديث صلاة الوتر (كذب أبو محمد) ، أي: أخطأ، سماه كاذبا، لاءنه شبيهه في كونه ضد الصواب، كما أن الكذب ضد الصدق وإن افترقا من حيث النية والقصد؛ لاءن الكاذب يعلم أن ما يقوله كذب، والمخطىء لا يعلم. وهاذا الرجل ليس بمخبر، وإنما قاله باجتهاد أداه إلى أن الوتر واجب، والاجتهاد لا يدخله الكذب، وإنما يدخله الخطأ وأبو محمد الصحابي: اسمه مسعود بن زيد.وفي التوشيح: أهل الحجاز، يقولون: كذبت بمعنى أخطأت، وقد تبعهم فيه بقية الناس۔ '' (تاج العروس : ۱۲۹/۴، ماده كذب)

نے بھی اس طرح کی بات کہی ہے۔[1]

اسی طرح علامہ صنعانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: وقديطلقها كثير من المتعنتين فى الجرح على من يهم و يخطئ[2] یعنی جو راوی وہم اور خطا کر جاتا ہے اس راوی پر بھی کذب کا اطلاق کرتے ہیں۔

تو جب کذب کی بات آئی ہے یہاں ہم نے اس کی یہ تفصیل بھی بتادی ہے کہ ہمیں دیکھنا ہے کہ وہ کس معنی میں استعمال ہوا ہے، متہم بالکذب کے بارے میں یا خطا کی وجہ سے کہا گیا۔

اسی طرح کذب کا اطلاق، بدعت پر بھی ہوجاتا ہے جیسا کہ یعقوب فسوی نے معرفۃ التاریخ میں بھی فرمایا ہے: و قد يراد به بدعة الراوى[3] راوی کی بدعت کی وجہ سے اس منحرف راوی پر کذب کا اطلاق ہوا ہے۔ یعنی وہم اور خطا ہی نہیں بلکہ بدعت کے تناظر میں بھی اسے کذاب کہا گیا ہے۔

اس لئے کذاب سے ہمیشہ وضاع یا متہم بالکذب ہی مراد نہ لیا جائے بلکہ یہ امور بھی دیکھنے چاہییں۔

۳ عدالت کے مجروح ہونے کا تیسرا سبب فسق

فسق کی دو نوعیتیں ہیں (1) مرتکب کبیرہ، کبیرہ گناہ وہ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے وہ جہنمی ہیں یا جن پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ وہ سارے کے سارے کبیرہ گناہ ہیں۔ کبائر

---

[1] حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ''فأما قول الشعبي: الحارث كذاب، فمحمول على أنه عنى بالكذب الخطأ، لا التعمد، وإلا فلماذا يروي عنه ويعتقده بتعمد الكذب في الدين'' (سیر اعلام النبلاء: ۴/۱۵۳)

[2] الروض الباسم فى الضب عن سنة ابى القاسم :۱/۱۶۶، الاحاديث المتكلم فيها فى الصحيحين، النوع الثانى

[3] کتاب المعرفۃ والتاریخ
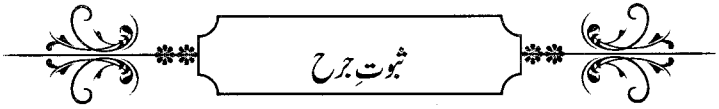
پر مستقل کتابیں بھی ہیں۔(2) صغیرہ گناہ، (لیکن صغیرہ گناہ پر اصرار سے وہ صغیرہ گناہ بھی کبیرہ ہی بن جاتا ہے۔)

بدعت بھی فسق ہے لیکن بدعت کے گناہ ہونے کی نوعیت کچھ اور ہے اور نافرمانی کے فسق ہونے کی نوعیت کچھ اور ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ابان بن تغلب کے بارے میں کہا ہے: شيعي جلب لكنه صدوق ولنا صدقه وعليه بدعته [1] یعنی یہ کٹر شیعہ ہے لیکن صدوق ہے، اور اس کا سچا ہونا ہمارے لئے ہے اور اس کی بدعت کا گناہ اس پر ہے۔

یعنی بدعتی راوی اگر جھوٹا نہیں ہے تو اس کی روایت قابل قبول ہے۔ اور اگر جھوٹ بولتا ہے تو پھر ایسے راوی کی روایت بالاتفاق قابلِ قبول نہیں ہے۔ البتہ وہ بدعتی راوی جس کی روایت اس کے مذہب کے موافق ہو تو ابن حبان رحمہ اللہ نے تو اجماع نقل کر دیا ہے کہ اتفاق ہے کہ داعی الی البدعہ نہ ہو، اور اس کی روایت اس کے مذہب کی مؤید نہ ہو تو اس کی روایت قابلِ قبول ہے۔ یہ ابن حبان نے اتفاق نقل کر دیا ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ اس مسئلہ پر بھی اتفاق نہیں ہے۔

۴ چوتھا سبب: جہالت کی وجہ سے عدالت کا معلوم نہ ہونا

راوی کے حوالے سے جہالت کے سبب اس کی عدالت معلوم نہ ہو جیسا کہ مبہم راوی ہے جیسے حدثنا فلاں یا عن شیخ، امام مسلم نے ذکر کیا ہے بسا اوقات شیطان بھی انسانی شکل میں آ کر دین کی باتیں کرتا ہے۔ لوگ اس کی باتوں پر اعتبار کر کے اس پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔ اس لئے جس آدمی کی پہچان نہ ہو اس کی بات قابل قبول نہیں ہے۔

مجہول کی ایک قسم یہ ہے کہ اس سے دو یا دو سے زائد راوی روایت کرنے والے ہوں، دونوں ثقہ ہوں تو اس سے پتہ چلے گا کہ وہ راوی بالکل ایسا نہیں ہے کہ کسی کو اس کا پتہ نہیں ہے۔ تو اس

---

[1] میزان الاعتدال: ۱/ ۵

طرح اسمِ جہالت مرتفع ہوجائے گا۔ اگر ایک ہی ثقہ راوی روایت کرے تو مجہول ہے جسے اصطلاح میں مجہول العین کہتے ہیں۔

اگر مجہول العین کی توثیق ایسے محدث نے کی جو متساہل نہیں ہے اس کی تنہا توثیق سے عدالت ثابت ہوجائے گی۔ کیونکہ وہ متساہل نہیں ہے۔ یا عدالت کے گذشتہ طریقوں میں سے کوئی طریقہ ثابت ہوجائے۔

مجہول کی دوسری قسم ہے مجہول الحال یا مستور، جس سے دو سے زائد راوی بیان کرتے ہیں اور اس کی توثیق نہ کی گئی ہو اور کسی نے اس کا حال نہیں بتایا، ایسے راوی کی روایت بھی قابل قبول نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عموماً مستور الحال راوی کو مقبول کہتے ہیں۔ لیکن باخبر رہنا چاہئے کہ ہر مقبول لازم نہیں ہے کہ وہ مستور ہو، بلکہ ایسے رواۃ کے تراجم کو بھی دیکھنا چاہئے کہ اس کے بارے میں ائمہ نے کیا فرمایا ہے۔ کیونکہ ایسے راوی ہیں، جنہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں مقبول کہا ہے اور وہ مستور الحال نہیں ہے، مثال کے طور پر صحیح بخاری کا ایک راوی شجاع بن الولید البخاری ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں مقبول کہا[1] اور فتح الباری میں اس کے بارے میں حافظ نے ثقہ کہا۔[2] اس لئے ہر مقبول کو مستور نہیں سمجھنا چاہئے اس کے بارے میں باقی آراء واقوال دیکھ لینے چاہییں۔

*****

---

[1] تقریب: ترجمہ نمبر ۲۷۵۱

[2] فتح الباری تحت حدیث ۴۱۸۶، وعبارته :شجاع بن الوليد أي البخاري المؤدب أبو الليث ثقة من أقران البخاري

❶ امام بخاری اور امام ابن ابی حاتم کا سکوت

بعض کہتے ہیں کہ وہ راوی جن کے بارے میں امام بخاری یا امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہما اپنی کتابوں میں ذکر کر دیں اور خاموشی اختیار کریں اور کوئی جرح یا توثیق نہ کریں۔ بعض نے یہ سمجھا ہے کہ ان کی خاموشی اس راوی کی توثیق و تعدیل ہے۔ اگر جرح ہوتی تو بیان کرتے۔ [1] لیکن یہ

---

[1] مولانا ظفر احمد تھانوی قواعد علوم الحدیث میں لکھتے ہیں: "كل من ذكره البخاري في "تواريخه"، ولم يطعن فيه فهو ثقة، فإن عادته ذكر الجرح" (قواعد فی علوم الحدیث: ۲۲۳) یعنی: ہر وہ راوی جسے امام بخاری رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں ذکر کر دیں اور اس پر کوئی طعن نہ کریں تو وہ ثقہ ہے اس لئے کہ ان کی عادت یہ ہے کہ وہ جرح کا ذکر کرتے ہیں۔

اور مولانا ظفر احمد تھانوی صاحب نے یہی مؤقف ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کے بارے میں اپنایا چنانچہ وہ لکھتے ہیں:
صنيعه يدل على ان سكوت ابن ابی حاتم عن الجرح توثيق كسكوت البخاری۔۔(قواعد فی علوم الحديث :۳۵۸)

اسی طرح اس حوالے سے الرفع والتکمیل کی تحقیق میں شیخ ابوغدۃ عبدالفتاح نے تفصیلی بحث کی ہے۔ (صفحہ نمبر: ۲۳۰ طبع مکتبہ شان اسلام، پشاور)

سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ نے نقض قواعد فی علوم الحدیث میں اس اصول کا رد کیا ہے۔ (دیکھئے نقض قواعد: ۳۱۳) (بقیہ آئندہ صفحہ پر)
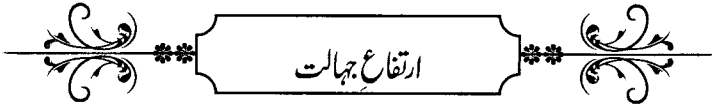
اصول درست نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے راوی ایسے ہیں جن پر انہوں نے سکوت کیا ہے اور بعد کے محدثین (مثلاً حافظ ابن حجر، ابن القطان رحمہما اللہ وغیرہ) ان رواۃ کو مجہول کہتے ہیں، مثال کے طور پر دیکھئے: محمد بن محبب کے بارے میں میزان الاعتدال میں حافظ ذہبی کے لفظ ہیں: ''بیض له ابن ابی حاتم فهو مجهول''[1]

یہی الفاظ عبدالاعلی الجعفی کے بارے میں کہے ہیں کہ'' بیض له ابن ابی حاتم فهو مجهول''[2]

اسی طرح ابن حجر رحمہ اللہ نے یزید بن عبداللہ اور حکم بن عتیبہ کے ترجموں میں کہا: ''بیض له ابن ابی حاتم فهومجهول''[3]

بلکہ ایسے راوی بھی موجود ہیں جن کے بارے میں التاریخ الکبیر یا الجرح والتعدیل میں سکوت ہے لیکن ابن ابی حاتم کی علل یا امام بخاری رحمہ اللہ کی ضعفاء میں ان پر جرح موجود ہے۔

مثال کے طور پر اسباط بن زرعہ پر ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے الجرح والتعدیل میں خاموشی اختیار کی ہے[4] لیکن العلل میں اس کو مجہول کہا۔[5]

(بقیہ گزشتہ صفحہ) شیخ ابوغدہ نے الرفع والتکمیل کے حاشیہ میں لکھا ہے:'' ان مثل البخاری ، او ابی زرعة، او ابی حاتم ، او ابنه ، او ابن یونس المصری الصدفی ، او ابن حبان ، او ابن عدی، او الحاکم الکبیر ابی احمد، او ابن النجار البغدادی، او غیرهم ممن تکلم او الف فی الرجال ، اذا سکتوا عن الراوی الذی لم یجرح و لم یات بمتن منکر: یعد سکوتهم عنه من باب التوثیق والتعدیل، ولا یعد من باب التجریح والتجهیل، و یکون حدیثه صحیحاً او حسناً او لا ینزل عن درجة الحسن اذا اسلم من المغامز، والله تعالیٰ اعلم''(۲۴۶)

[1] میزان الاعتدال:4/22، محمد بن محبب ابوهمام الدلال البصری، دارالفکر

[2] میزان الاعتدال،2/410، عبدالأعلی الکوفی ،مولی الجعفیین، دارالفکر .

[3] لسان المیزان:2/630، داراحیاء التراث، حکم بن عتیبة بن نهاس ، کوفی

[4] الجرح والتعدیل:2/258، دارالکتب العلمیة

[5] العلل: روایت نمبر 2179

ارتفاعِ جہالت

اسی طرح عبداللہ بن محمد بن عجلان کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر میں اس پر کوئی جرح وتعدیل نہیں کی۔[1] لیکن کتاب الضعفاء میں لایتابع علیه کہا۔[2]

اسی طرح عبداللہ بن معاویہ بن عاصم کے بارے میں التاریخ الکبیر میں سکوت کیا[3] لیکن التاریخ الصغیر جواب التاریخ الاوسط کے نام سے بھی چھپی۔اس میں منکر الحدیث قرار دیا۔[4]

اسی طرح عبداللہ بن یعلی النہدی کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر میں سکوت اختیار کیا[5] اور ضعفاء[6] میں کہا کہ ''فیه نظر'' جوکہ امام بخاری کی سخت جرح ہے۔[7]

بہر حال دونوں اعتبار سے جب ہم قاعدے کا جائزہ لیتے ہیں امام بخاری اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ

---

[1] تاریخ کبیر ۵/ ۸۸،عبداللہ بن محمد بن عجلان مولی فاطمہ بنت عتبۃ،دار الکتب العلمیۃ

[2] کتاب الضعفاء

[3] تاریخ کبیر میں اس کے لئے دو ترجمے قائم کئے، ایک جگہ [(۶۳۱)۵/ ۲۰۰] سکوت کیا ہے اور دوسرے ترجمے (۶۶۳،۵/ ۲۰۹) میں فرماتے ہیں: "بعض احادیثه منکر" لیکن اس سے بھی ثقاہت کی تعیین نہیں ہوتی اور تاریخ الاوسط میں میں منکر الحدیث کہا جو کہ متروک کے درجے کی جرح ہے۔میزان میں حافظ ذہبی نے بھی منکر الحدیث نقل کیا ہے،اب منکر الحدیث اور بعض احادیثه منکر میں بڑا فرق ہے۔

[4] تاریخ الاوسط: ۴/ ۸۷۴،ترجمہ نمبر: ۱۳۸۰،مکتبۃ الرشد

[5] تاریخ الکبیر: ۵/ ۱۳۱،دار الکتب العلمیۃ

[6] الضعفاء

[7] امام بخاری رحمہ اللہ جس راوی کے بارے میں فیہ نظر کہیں تو وہ راوی اکثر طور پر متروک کے درجے کا ہوتا ہے، جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ سیر میں امام بخاری رحمہ اللہ کا قول'' أرجو أن ألقى الله ولا يحاسبني أني اغتبت أحدا'' کے بعد فرماتے ہیں:''قلت: صدق -رحمه الله- ومن نظر فی كلامه في الجرح والتعديل علم ورعه في الكلام في الناس، وإنصافه فيمن يضعفه فإنه أكثر ما يقول: منكر الحديث سكتوا عنه فيه نظر ونحو هذا، وقل أن يقول: فلان كذاب أو كان يضع الحديث حتى إنه قال: إذا قلت فلان في حديثه نظر فهو متهم، واه وهذا معنى قوله: لا يحاسبني الله أني اغتبت أحدا، وهذا هو والله غاية الورع۔'' (سیر اعلام النبلاء)
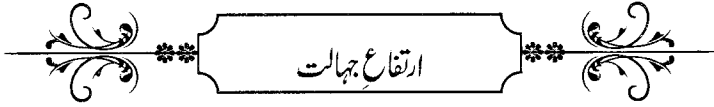
ارتفاعِ جہالت

نے راوی کے ذکر کے بعد سکوت اختیار کیا تو کیا وہ ثقہ سمجھا جائے گا؟ تو بعض نے کہا ثقہ سمجھا جائے گا لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ مجہول ہی ہے۔ حافظ ذہبی، ابن حجر، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہم ایسے راوی کو مجہول ہی سمجھتے ہیں۔ بلکہ خود امام بخاری اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہما کی اپنی ہی شہادتیں اس بارے میں موجود ہیں ایک جگہ راوی پر سکوت ہے اور دوسرے مقام پر اس راوی پر جرح موجود ہوتی ہے۔

دورہ کا دوسرا دن

26 جون 2015ء

ضبط

کل کی مجلس میں جو کچھ عرض کیا تھا، اس میں عدالت سے متعلقہ جو ضروری مباحث ہیں ان کو سامنے رکھا گیا تھا، عدالت کے بعد معاملہ ضبط کا ہے۔

یعنی صحیح حدیث کے لئے عدالت کے بعد معاملہ ضبط کا ہے۔ اسی صحیح حدیث کی تعریف کے تناظر میں عدالت کے بعد ضبط کی بات ہوگی۔

ضبط کی اقسام

ضبط کی دو نوعیتیں ہیں۔ ا۔ ضبط الکتاب ۲۔ ضبط الصدر

❶ ضبط الکتاب

جب سے وہ روایت راوی نے اپنی کتاب میں لکھی ہے اور اس کتاب سے اپنے شیخ کا سماع کیا ہے اس وقت سے لے کر روایت کے بیان کرنے تک وہ کتاب ان کے پاس محفوظ ہو کیونکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ بعض لوگ، مشائخ کی کتاب لے کر اپنی طرف سے بھی کچھ اس میں شامل کر دیتے ہیں اور مغفل شخص یہ سمجھ نہیں پاتا کہ یہ میری ہی روایت ہے یا اس میں کوئی گڑ بڑ کی گئی ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ جو کتاب سے روایت کرے وہ اس کا صحیح طریقے سے محافظ بھی ہو۔

اس لئے کہ چور ہر قسم کے ہوتے ہیں اور جعلسازی روایت کے بارے میں بھی ہوتی ہے۔ جعلسازی کرنے والے روایت کے کچھ اوراق یا اس سے ملتا جلتا خط اس روایت کے اوپر نیچے شامل کر دیتے ہیں یا روایت کی درستگی میں اس سے متعلق الفاظ کا اضافہ کر دیتے ہیں جو راوی حافظ

ضبط
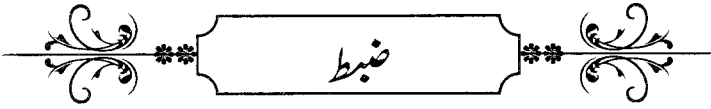
ہوتا ہے اس کو صحیح ضبط نہیں ہوتا وہ اپنی ہی کتاب کا حصہ سمجھ کر اسے روایت کر دیتا ہے۔

لہذا یہ ضروری شرط ہے کہ وہ راوی اس ضبط الکتاب کا نگران بھی ہو اور وہ محفوظ ہو۔

❷ ضبط الصدر

روایت کو یاد کیا جب سے حفظ کیا اور جب وہ اس روایت کو بیان کرنا چاہے تو تھوڑی سی توجہ کے ساتھ اس روایت کے الفاظ مستحضر ہو جائیں اور بیان کرنے میں اسے کسی قسم کی صعوبت نہ ہو۔ جس طرح قرآن کا حافظ ہوتا ہے اسی طرح حدیث کا حافظ بھی ہر وقت اسے بیان کر سکتا ہے۔ آپ محدثین کے تراجم پڑھیں وہ کہا کرتے تھے: "كأن الاحاديث بين عيني" احادیث تو ہمارے سامنے ایسی ہیں جیسے ہمارے سامنے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔

جس طرح اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے ایک مجلس میں یہ بات کہی کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ جو سات ہزار احادیث اپنی آنکھوں میں دیکھ رہے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ وہاں موجود تھے تو استاد جی سے کہنے لگے، استاد محترم! اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو دو لاکھ احادیث کو اپنی آنکھوں میں دیکھ رہے ہیں۔

گویا کہ انہیں پتہ ہے کہ یہ احادیث ورق کے کس صفحے پر ہے اور کس سطر میں ہے، جس طرح حافظ قرآن کو قرآن کا صفحہ (جس نسخے پر اس نے یاد کیا ہوتا ہے) یاد ہوتا ہے۔

ضبط
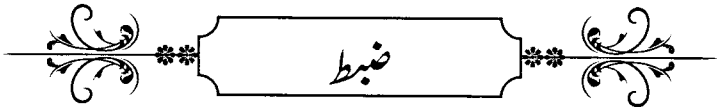
نقصانِ ضبط اور اس کے اسباب

ضبط میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے اور اس کے کئی اسباب ہیں۔ جیسا کہ بیان کئے جاتے ہیں۔

نقصان ضبط کی پہلی صورت

سوء حفظ

سوء حفظ کی تعریف یہ ہے کہ جس کی اخطاء یا اصواب کے دونوں پہلو کو ترجیح نہ دی جا سکے یعنی اسے یقین واعتماد نہیں ہے۔ ایسے راوی پر سوء حفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

آج کل تو عارضہ سوء حفظ ہی کا اکثر نظر آتا ہے، ہمارے اساتذہ کہا کرتے تھے کہ جو حفظ پہلے تھا وہ ہمیں نظر نہیں آتا اور اب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اساتذہ کے وقت میں جو حفظ وضبط ہمیں نظر آتا تھا اب نظر نہیں آتا تو یہ انحطاط آتا ہی جا رہا ہے۔ کہاں شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ راشدی، ان کا حفظ وضبط؟ کہاں محدث محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہما! ان کا حفظ وضبط، جس فن پر بات کرو ایسا لگتا تھا یہ فن سارا یہیں آ گیا ہے۔

سوء حفظ کی اقسام

1. سوء حفظ ایک تو وہ ہے جو ہمیشہ انسان کے ساتھ ملحق ہو ابتداہی سے کمزور حافظہ ہے۔
2. سوء حفظ طاری: جو کسی سبب سے حفظ کی کمزوری اس کو لاحق ہو گئی ہے۔

مثال کے طور پر بینائی کے ضائع ہونے یا بڑھاپے کی وجہ سے حفظ وضبط میں خلل واقع

ہو جاتا ہے۔

کتاب کے چرانے یا آگ لگنے یا دیمک لگنے سے کتاب ضائع ہونے کے صدمہ سے حافظہ کمزور ہو گیا۔جس طرح علی بن مدینی رحمہ اللہ ہیں، ان کا بہت بڑا اثاثہ تھا، سفر پر گئے کچھ عرصے بعد واپسی لوٹے تو کتابوں کو دیکھا کہ انہیں دیمک چاٹ گئی، (1) حالانکہ امام حاکم رحمہ اللہ کی المعرفہ دیکھیں (2) امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کی حدیث کے تمام اہم مباحث پر کتابیں ہیں، جس طرح علماء

---

(1) سیر اعلام النبلاء: ۱۱/ ۴۷، امام ذہبی نے فسوی سے نقل کیا ہے کہ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''صنفت المسند مستقصی، وخلفته في المنزل، وغبت في الرحلة، فخالطته الأرضة، فلم أنشط بعد لجمعه'' یہ مسند العلل تھی، جو کہ تیس اجزاء پر مشتمل تھی، جیسا کہ خود حافظ ذہبی نے امام حاکم کے حوالے سے کئی کتب کے نام نقل کرتے ہوئے مسند کے بارے میں لکھا: ''علل المسند ثلاثون جزءا'' اور ان کتب کے نام ذکر کرنے کے بعد خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا قول بھی نقل کیا۔'' أبو بكر الخطيب: فجميع هذه الكتب انقرضت، رأينا منها أربعة كتب، أو خمسة'' یعنی ان کی تمام کتابیں ضائع ہو گئی تھیں، سوائے چار یا پانچ کے۔

(2) امام حاکم نے جن کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں: [هذه أسامي مصنفات علي بن المديني. كتاب الأسامي والكنى، ثمانية أجزاء، كتاب الضعفاء عشرة أجزاء، كتاب المدلسين خمسة أجزاء، كتاب أول من نظر في الرجال وفحص عنهم جزء، كتاب الطبقات عشرة أجزاء. كتاب من روى عن رجل لم يره جزء، كتاب علل المسند ثلاثون جزءا، كتاب العلل لإسماعيل القاضي أربعة عشر جزءا، كتاب علل حديث ابن عيينة ثلاثة عشر جزءا، كتاب من لا يحتج بحديثه ولا يسقط جزءان، كتاب الكنى خمسة أجزاء، كتاب الوهم والخطأ خمسة أجزاء، كتاب قبائل العرب عشرة أجزاء، كتاب من نزل من الصحابة سائر البلدان خمسة أجزاء، كتاب التاريخ عشرة أجزاء، كتاب العرض على المحدث جزءان، كتاب من حدث ثم رجع عنه جزءان، كتاب يحيى وعبد الرحمن في الرجال خمسة أجزاء، كتاب سؤالاته يحيى جزءان. كتاب الثقات والمثبتين عشرة أجزاء، كتاب اختلاف الحديث خمسة أجزاء كتاب الأسامي الشاذة ثلاثة أجزاء، كتاب الأشربة ثلاثة أجزاء، كتاب تفسير غريب الحديث خمسة أجزاء. كتاب الإخوة والأخوات ثلاثة أجزاء، كتاب من تعرف باسم دون اسم أبيه جزءان، كتاب من يعرف باللقب جزء، وكتاب العلل المتفرقة ثلاثون جزءا، وكتاب مذاهب المحدثين جزءان] یہ فہرست بتانے کے بعد امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: [قال الحاكم: إنما اقتصرنا على فهرست مصنفاته في هذا الموضع ليستدل به على تبحره وتقدمه، وكماله] (معرفة علوم الحديث)
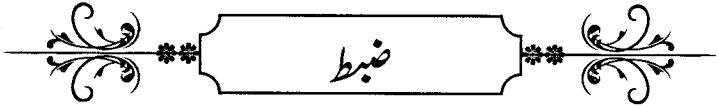
نے یہ کہا ہے کہ بعد میں آنے والے خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے مرہون منت ہیں ، اگر علی بن مدینی رحمہ اللہ کی یہ کتابیں باقی رہ جاتیں تو بالکل یہی کہتے کہ بعد میں آنے والے علی بن مدینی رحمہ اللہ کے علم کے محتاج ہیں۔ علی بن مدینی رحمہ اللہ کی کتابیں دیمک کی وجہ سے ضائع ہوگئیں۔مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کا بھی حافظہ کمزور ہوگیا تھا یہ تو محض کتب کے ضائع ہونے کی بات تھی۔

کہنے کا مطلب یہ تھا کہ سوء حفظ عارض بھی ہوتا ہے۔ جب ایسی صورت ہو تو محدثین کے نزدیک اس کے بعد کی روایات قابل قبول نہیں رہتیں الا یہ کہ اس کا کوئی مؤید ہو، اور جو اس عارضہ سے پہلے بیان کی ہیں تو وہ قابل قبول ہیں۔

سوء حفظ کے عارضے میں ایک پوزیشن یہ ہے کہ خلط ملط کرنا جسے اختلاط کہا جاتا ہے، ایک ہے حافظے کی کمزوری اور ایک ہے حافظے کا اختلاط یعنی صحیح اور غیر صحیح باتوں کا گڈ مڈ کر دینا، اب جب یہ عارضہ پیش ہوتا ہے، (اس موضوع پر مستقل کتابیں موجود ہیں کہ کن کن کو یہ عارضہ پیش آیا تھا، الاغتباط من رمی بالاختلاط یہ علامہ برھان الدین الحلبی رحمہ اللہ کی معروف کتاب ہے۔اسی طرح الکواکب النیرات بڑی جامع کتاب ہے۔حواشی کے ساتھ۔شیخ محمد طلعت کی کتاب معجم المختلطین ـ ـ) اختلاط کی پوزیشن سوء حفظ سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

صحیح بخاری میں مختلط راوی

یہاں ایک بحث یہ بھی چلتی ہے کیا صحیح بخاری میں ایسے راویوں سے روایت ہے کہ جن کو اختلاط کا عارضہ پیش آ گیا تھا۔ بالخصوص وہ روایات جو عارضے کے بعد کی ہیں۔اس بارے میں اختلاف ہے۔

علامہ ابن الصلاح، علامہ نووی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری میں مختلطین کی وہ روایات ہیں جو

انہوں نے اختلاط سے پہلے روایت کیں۔(1) بلکہ النکت میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہہ دی ہے۔(2)

لیکن امرِ واقع اس کے بالکل برعکس ہے جیسا کہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ہدی الساری میں اس کی وضاحت کی ہے۔جن کی روایت اختلاط کے بعد کی ہیں۔

مثال کے طور پر ابن ابی عدی یا محمد بن عبداللہ انصاری ہیں، یا روح بن عبادہ ہیں۔ان کی روایات بخاری ومسلم میں ہیں اور اختلاط کے بعد کی ہیں لیکن حافظ کہتے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما ان رواۃ کی اس دور (اختلاط کے بعد والے دور) کی بیان کی ہوئی روایات کا انتخاب کرتے ہیں کہ وہ روایات جس کے شواہد یا متابعات موجود ہیں،اس کی روایت صحیح بخاری وصحیح مسلم

---

(1) علامہ ابن الصلاح کی عبارت ان کی کتاب معرفۃ علوم الحدیث المعروف مقدمۃ ابن الصلاح میں ہے:"واعلم أن من كان من هذا القبيل محتجا بروايته في " الصحيحين " أو أحدهما فإنا نعرف على الجملة أن ذلك مما تميز وكان مأخوذا عنه قبل الاختلاط، والله أعلم. " (مقدمہ ابن الصلاح:۲۴۱)

امام نووی کی عبارت ان کی کتاب التقریب والتیسیر میں ہے:"ومن كان من هذا القبيل محتجاً به في الصحيح فهو مما عرف روايته قبل الاختلاط، والله أعلم."(التقريب والتيسير للنووى)

(2) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:"واحترزت بقولي أن يكون سالما من العلل بما إذا احتجا بجميع رواته على صورة الاجتماع إلا أن فيهم من وصف بالتدليس أو اختلط في آخر عمره، فإنا نعلم في الجملة أن الشيخين لم يخرجا من رواية المدلسين بالعنعنة إلا ما تحققا أنه مسموع لهم من جهة أخرى ، وكذالم يخرجا من حديث المختلطين عمن سمع منهم بعد الاختلاط إلا ما تحققا أنه من صحيح حديثهم قبل الاختلاط. فإذا كان كذلك لم يجز الحكم للحديث الذي فيه مدلس قد عنعنه أو شيخ سمع ممن اختلط بعد اختلاطه، بأنه على شرطهما، وإن كانا قد أخرجا ذلك الإسناد بعينه.إلا إذا صرح المدلس من جهة أخرى بالسماع وصح أن الراوي سمع من شيخه قبل اختلاطه، فهذا القسم يوصف بكونه على شرطهما أو على شرط أحدهما "(النكت:النوع الاول، الصحيح)

ضبط
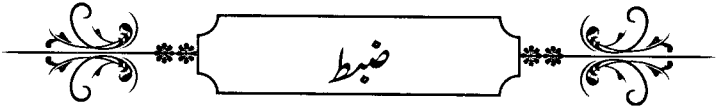
میں لے آتے ہیں۔ کیونکہ جب دوسرے راوی بھی اس کو بیان کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں اس کو گڑبڑ نہیں ہے۔ اس شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اختلاط کے بعد بھی لی ہیں لیکن چناؤ کیا ہے کہ اگر اس کی متابعات وشواہد ہیں، تو وہ روایت لے لی ہے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ سوال کرتے ہیں کہ آپ محمد بن عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ (صدوق، سئ الحفظ) کی روایت کیوں نہیں لیتے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے جواب دیا: کہ میں اس کی صحیح وضعیف روایت کا فرق نہیں کر سکا۔[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جن پر سوء الحفظ کا عارضہ ہو اور جن کی روایات میں انہوں نے انتقاء نہیں کیا ایسے راوی کی روایت نہیں لیتے، تو جو مختلط ہے اس کی روایت کیسے لیں گے؟؟ ابن حبان رحمہ اللہ نے بھی صحیح الاحسان کے مقدمے میں کہا ہے کہ میں کسی مختلط سے روایت

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری کے مقدمہ میں اسماعیل بن ابی اویس کے ترجمے کے تحت لکھتے ہیں: '' قلت وروينا في مناقب البخاري بسند صحيح أن إسماعيل أخرج له أصوله وأذن له أن ينتقي منها وأن يعلم له على ما يحدث به ليحدث به ويعرض عما سواه وهو مشعر بأن ما أخرجه البخاري عنه هو من صحيح حديثه لأنه كتب من أصوله وعلى هذا لا يحتج بشيء من حديثه غير ما في الصحيح من أجل ما قدح فيه النسائي وغيره إلا أن شاركه فيه غيره فيعتبر فيه ''(فتح الباری:۱/ ۵۵۵)

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر ثناء الناس کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا: ''كان إسماعيل بن أبي أويس إذا انتخبت من كتابه نسخ تلك الأحاديث لنفسه وقال هذه الأحاديث انتخبها محمد بن إسماعيل من حديثي ''(فتح الباری:۱/ ۶۷۴) اس قول سے معلوم ہوا کہ اسماعیل بن ابی اویس جس کے بارے میں حافظ نے تقریب میں کہا ہے کہ ''صدوق أخطأ في أحاديث من حفظه'' امام بخاری رحمہ اللہ نے اسکی لکھی ہوئی احادیث کو لیا اور اس میں سے بھی انتخاب کیا۔

[2] ترمذی، العلل الکبیر
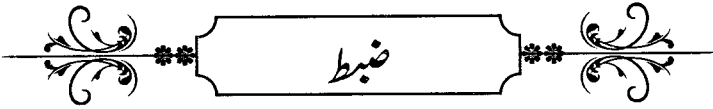
نہیں لوں گا، [1] جس طرح انہوں نے کہا ہے کہ میں کسی مدلس سے روایت نہیں لوں گا۔ وہی روایت لوں گا جس کا میرے ہاں سماع ثابت ہوگا اگرچہ بعد میں اس کو معنعن ہی کیوں نہ ذکر کردوں؟ اسی طرح میں اسی مختلط سے روایت لوں جس کی روایت قبل از اختلاط ہے وہ روایات لوں گا، تو ابن حبان رحمہ اللہ کا اس قدر احتیاط ہے صحیح کے حوالے سے، امام بخاری رحمہ اللہ کا احتیاط تو اس سے کہیں فوق اور کہیں زیادہ ہے۔

سوء الحفظ کی مختلف صورتیں

راوی کا سوء الحفظ کیسے پہچانا جائے گا؟؟ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

سوء حفظ کی پہلی صورت کثرت مخالفت:

راویوں کی مخالفت کی دو نوعیتیں ہیں۔

❶ اپنے سے اوثق کی مخالفت کرتا ہے۔ ❷ اکثر کی مخالفت کرتا ہے۔

اب ایسی صورت میں جب وہ اوثق یا اکثر کی مخالفت کر رہا ہو تو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ سئ الحفظ ہے۔

اور اگر مخالفت کرنے والا خود ثقہ ہے تو اس کی روایت شاذ ہوگی، اور اگر مخالفت کرنے والا خود کمزور ہے تو روایت منکر ہوگی۔

اسی طرح مخالفت کی ایک اور صورت ہے کہ وہ سند میں کسی راوی کا اضافہ یا متن میں کوئی

---

[1] امام ابن حبان رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے: ”وأما المختلطون في أواخر أعمارهم مثل الجريري وسعيد بن أبي عروبة وأشبههما فإنا نروي عنهم في كتابنا هذا ونحتج بما رووا إلا إنا لا نعتمد من حديثهم إلا ما روى عنهم الثقات من القدماء الذين نعلم أنهم سمعوا منهم قبل اختلاطهم وما وافقوا الثقات في الروايات التي لا نشك في صحتها وثبوتها من جهة أخرى“ (الاحسان فی تقریب ابن حبان)

ضبط
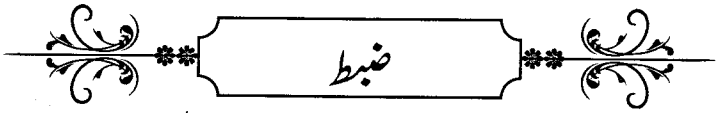
اضافہ کر دیتا ہے۔اب یہ سند یا متن کا اضافہ مدرج فی الاسناد یا مدرج فی المتن کہلاتا ہے۔

اور اب یہاں ایک اور پوزیشن ہے کہ اس نے ایک راوی کا اضافہ تو کیا ہے۔لیکن ایک سند میں اس راوی کا ذکر نہیں ہے اور دوسرے نے اس راوی کا اضافہ کیا ہے۔اب جس سند میں راوی کا اضافہ نہیں ہے اور راوی مروی عنہ کے درمیان سماع کی صراحت موجود ہے، وہ سمعت یا حدثنا کہتا ہے تو یہ دلیل ہوگی کہ اس نے اس سے سماع کیا ہے۔یہ المزید فی متصل الاسانید کہلائے گا۔یعنی روایت بواسطہ اور بلاواسطہ بھی موجود ہے۔لیکن بلاواسطہ تب قبول ہوگی جب دونوں کے درمیان سماع کی صراحت موجود ہوگی۔اور اگر سماع کی صراحت نہ ہو تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ انقطاع ہے۔

اسی طرح یہ مخالفت جو کرتا ہے اب اس مخالفت کی معنوی طور پر تعبیر مختلف ہے کہ یہ مخالفت ایسی تو نہیں ہے کہ جس میں دونوں کے درمیان توفیق و تطبیق کی کوئی صورت ہی نظر نہ آئے اور اگر توفیق کی کوئی صورت نہیں ہے۔ایسی روایت کو مضطرب کہیں گے کہ اس میں اضطراب ہے کہ یہ راوی اس طرح بیان کرتا ہے۔اور وہ اس طرح بیان کرتا ہے۔تو یہ اضطراب ہے اور یہ سند میں بھی ہوتا ہے اور متن میں بھی ہوتا ہے۔لیکن اضطراب وہ ہوتا ہے جس میں توفیق کی کوئی گنجائش نہ رہے لیکن اگر توفیق کی گنجائش ہو تو پھر وہ اضطراب نہیں رہتا۔

پھر اسی طرح مخالفت کی ایک صورت یہ بھی ہے اور قلمی کتابوں میں اب تک پائی جاتی ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اتنا کام ہو جانے کے بعد جو کتب مسانید ہیں اور جو کتب داخل درس ہیں بعض مقامات پر ان میں یہ مخالفت اب بھی باقی ہے، مثلاً نام کے ضبط میں غلطی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر کتابت میں شعبہ لکھا ہوتا ہے اور شعبہ کی بجائے بعض سعید لکھ دیتے ہیں۔اب شعبہ کو تھوڑا سا لمبا کر دیا جائے (نقطے تو اب لگے ہیں چھٹی، ساتویں صدی میں جائیں تو نقطے بھی نہیں ہیں، نہ اسماء میں اور نہ ہی متون میں۔متون کے نقطے گرامر وغیرہ سے حل ہو جاتے ہیں لیکن اسماء کے نقطے عقل وادب، گرامر وغیرہ سے حل نہیں ہوتے۔اس کے لئے دیکھنا پڑتا ہے کہ یہ شعبہ

ہے یا سعید ہے۔)

اسی طرح سفیان اور شیبان ہے۔اب لکھنے میں صرف ''ف'' کا فرق ہے اب ''ف'' تھوڑی سی بڑی کی جائے تو شیبان بن جاتا ہے۔امام ابن حبان رحمہ اللہ نے المجروحین میں اس حوالے سے بڑی دلچسپ بات کہی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ جو حفاظ ہیں، وہ روایت کو جانتے ہیں، جب کوئی غلطی کررہا ہوتو وہ جانتے ہیں کہ یہ شعبہ کی نہیں سعید کی روایت ہے، تو کوئی راوی جب غلطی کررہا ہو تو حفاظ چوکنا ہو جاتے ہیں۔[1] لیکن ایسا ضبط تو اسی دور کا تھا، اب اس دور میں یہ ضبط ہے ہی نہیں۔اب دیکھیں: شعبہ، سعید، بُشیر، بشیر، نصیر، یسیر۔ان کی شکل ایک ہی ہے، اب ان کا پتہ مؤتلف اور مختلف کے موضوع پر لکھی گئی کتب کے ذریعے ہوگا۔اس موضوع پر سب سے بڑی کتاب امام دارقطنی کی اور دوسری امام ابن ماکولا رحمہا اللہ کی ہے۔وہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ روایت شعبہ کی ہے یا سعید کی روایت ہے۔یہ یسیر کی روایت ہے یا نصیر کی روایت ہے۔یعنی اس موضوع پر محدثین رحمہم اللہ نے ایک ایک چیز کو نکھارنے اور نمایاں کرنے کے لئے کتنی محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں فرمائے۔آمین

انسان ہے غلطی ہو جاتی ہے، انسانوں کو چوکنا کرنے کے لئے یہ سمجھا دیا ہے کہ یہ راوی کس طرح پڑھنا ہے۔کن اعراب ونقطوں سے پڑھنا ہے۔امام دارقطنی رحمہ اللہ کو اس بارے میں جتنا درک تھا، ان کا ترجمہ دیکھیں تاریخ بغداد میں تو ان کے بڑے عجیب وغریب واقعات اسی حوالے سے ملیں گے۔

نقطوں کا یہ فرق ضبط یا اعراب وغیرہ کے اعتبار سے اس کو اصطلاح میں تصحیف کہتے ہیں۔اب نقطوں میں گڑبڑ ہو تو کہتے ہیں یہاں تصحیف ہوگئی ہے۔صحف ہو گیا ہے۔

دوسری صورت: نقطے کے بجائے پورا لفظ ہی بدل جائے تو اس کے لئے محرف کا لفظ استعمال

---

[1] المجروحین:۵۸-۵۹
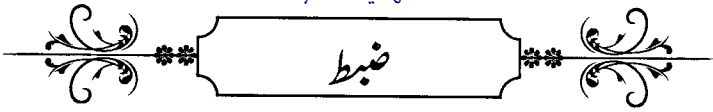
کرتے ہیں کہ یہاں تحریف ہوگئی ہے۔

علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے مقدمہ میں اس حوالے سے تفریق نہیں کی لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حوالے سے باریک فرق کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ دراصل یہ جتنے اصول ہیں یک بارگی سارے اصول اپنی انتہا کو نہیں پہنچے بلکہ ان کی آہستہ آہستہ تنقیح و تحقیق ہوتی رہی ہے۔ پھر جا کے ان اصولوں کو متعارف کروایا گیا ہے۔

سوءحفظ کی دوسری صورت وہم

اسی طرح سوءحفظ کی ایک صورت وہ ہے جسے ہم وہم سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ اس وقت ہوتی ہے جب راوی مرسل کو متصل بیان کردے یا مرفوع کو موقوف بیان کردے۔

تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس سے وہم ہوا ہے، اس نے موقوف کو مرفوع بیان کردیا ہے۔ اس کا پتہ چلے گا اسانید کے دراسہ اور تقابل سے کہ اس نے کیسے بیان کیا ہے اور اس کے باقی شاگردوں سے پتہ چلے گا کہ اس کے باقی شاگرد تو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

سوءحفظ کی تیسری صورت غفلت

اسی طرح ایک صورت غفلت کی ہوتی ہے۔ مغفل راوی (مغفل راوی کہتے ہیں جو اپنی صحیح اور سقیم روایات میں تمیز نہ کرسکتا ہو۔)

اور پھر غفلت کی ایک آخری پوزیشن یہ ہوتی ہے کہ جب اس مغفل راوی کو لقمہ دیا جاتا ہے تو وہ لقمہ کو قبول کرلیتا ہے۔ جس طرح ایک غیر پختہ حافظ کو ایک اناڑی حافظ کوئی لقمہ دے وہ اس کو قبول کرلیتا ہے۔ لیکن پختہ حافظ قبول نہیں کرتا۔ اس سے پتہ چل جائے گا کہ اس کو قرآن ازبر ہے۔

یہی معاملہ روایت کا ہے اور وہ راوی جو اس طرح کے لقمے کو قبول کر لیتے ہیں، اس کو اصطلاح میں کہتے ہیں یقبل التلقین تلقین کو قبول کرلیتا ہے۔

کبھی کبھی یہ تلقین اختبار کے لئے بھی کی جاتی ہے، جیسے یحیٰ بن معین رحمہ اللہ، امتحان لینے کے

لئے اکثر تلقین کیا کرتے تھے کہ اسے کس قدر پختہ روایات یاد ہیں۔

فضل بن دکین رحمہ اللہ کی مجلس میں انہوں نے اسی طرح کیا وہ ناراض ہوئے اور یحی بن معین رحمہ اللہ کو پاؤں دے مارا۔ جس طرح ٹھڈا لگاتے ہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ بہت بڑے حافظ ہیں ان کے سامنے ایسا نہ کرنا۔ [1]

بہر حال ان طرق سے راوی کے سوء حفظ کا پتہ چلتا ہے۔

---

[1] تاریخ بغداد: ۱۴/ ۳۱۴، ۳۱۵، تحقیق بشار عواد دار المغرب الاسلامی، تاریخ بغداد میں ہے کہ جب امام احمد نے ان سے یہ کہا کہ میں نے تمہیں روکا تھا؟؟ تو ان کا جواب تھا: " واللہ لرفسته لی احب الی من سفری "، مقدمہ المجروحین: ۱/ ۳۳، بلکہ مقدمہ المجروحین میں مزید یہ بھی ہے کہ فقام الیه یحی و قبله ، وقال: جزاک اللہ عن الاسلام خیرا ،مثلک من یحدث انما اردت ان اجریک
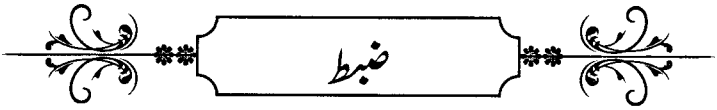
نقصانِ ضبط کی دوسری صورت
راوی کا کثیر الخطا ہونا

کثیر الخطا راوی کی دو نوعیتیں ہیں۔

1 ایک راوی وہ ہے کہ جو کثیر الخطا ہے، لیکن وہ کثیر الروایۃ بھی ہے۔

جو راوی کثیر الخطا اور کثیر الروایۃ ہے اور اسی تناسب سے اس سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں تو ایسے راوی کی روایت بھی مخدوش ہوتی ہے کہ اگر کوئی متابعت یا شاہد مل جائے تو تائید ہو جاتی ہے کہ اس میں اس سے غلطی نہیں ہوئی۔ کثیر الغلط کی مؤیدات موجود ہوں تو کثرت غلط کی وجہ سے جو شبہ پڑا تھا اس کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

2 دوسرا کثیر الخطا راوی وہ ہے جو قلیل الروایۃ ہے، روایتیں کم ہیں لیکن غلطیاں زیادہ ہیں۔ اب اگر کوئی تھوڑی روایتوں میں بھی غلطیاں کرتا ہے تو اس کی روایت تو قابل قبول نہیں۔

جس کی غلطیاں اس کے صواب سے زیادہ ہیں، اس کو فحش الغلط کہتے ہیں۔

فاحش الغلط (یعنی صحیح روایات بیان کرنے کی بہ نسبت زیادہ غلط بیان کرتا ہے،) ایسے راوی کی روایت متروک ہے۔ اس کا مؤید ہو یا نہ ہو اس کو کوئی روایت سہارا نہیں دیتی۔ اس کا حافظہ انتہائی ردی ہے کہ غلطیاں زیادہ ہیں اور صحیح باتیں کم ہیں۔ اب اس کی زیادہ غلطیوں کی وجہ سے اس کی صحیح باتیں بھی رد ہو گئی ہیں۔ جیسا کہ کذاب راوی ہمیشہ جھوٹ نہیں بولتا، کبھی سچ بھی تو بولتا ہے۔ شیطان نے بھی تو سچ بولا تھا۔ ورنہ تھا تو شیطان۔ اسی طرح جھوٹا راوی جب روایت کرے گا تو وہ ہر روایت جھوٹ تو نہیں بیان کرے گا لیکن جھوٹے ہونے کی وجہ سے اس کی صحیح روایتیں

ضبط

بھی ساری کی ساری برباد ہوگئیں۔اسی طرح فاحش الغلط کی فحش الغلط ہونے کی وجہ سے جن روایتوں کو اس نے صحیح بھی بیان کیا ہے،ان کی بھی حیثیت کمزور ہوگئی ہے۔حضرات محدثین رحمۃ اللہ علیہم اس حوالے سے مذکورہ فرق کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر آپ دیکھیں: شریک بن عبداللہ القاضی، ہشیم، ابوبکر بن ابی عیاش یہ سئ الحفظ ہونے میں معروف ہیں۔ابن حبان رحمہ اللہ نے ان کی روایات کی جب مؤیدات ہوں تو صحیح میں ذکر کی ہیں۔

*****
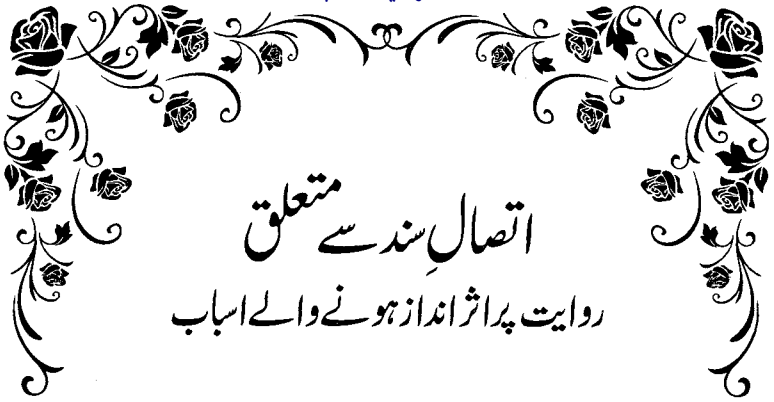
اتصالِ سند سے متعلق
روایت پر اثر انداز ہونے والے اسباب

راوی پر بسا اوقات عدالت یا ضبط کی وجہ سے کلام نہیں ہوتا کلام کے اسباب اور بھی ہیں۔
عموماً تو ہمارے ہاں صحیح کی یہی تعریف کی جاتی ہے:

''ما رواه عدل تام الضبط متصل السند غير معلل ولا شاذ''

''وہ حدیث جسے عادل، تام الضبط راوی بیان کرے اور اس حدیث کی سند متصل ہو، اور اس میں کوئی علت اور شذوذ نہ ہو''

عدالت کس کو کہتے ہیں اور ضبط کے دائرہ کار کیا ہے اس حوالے سے ہم پڑھ چکے ہیں، اب ہم بات کرتے ہیں اس کی جس سے راوی کی روایت اثر انداز ہوتی ہے اور اس کا تعلق اتصالِ سند کے ساتھ ہے۔

1 تدلیس

راوی کا مدلس ہونا، راوی اگر ضعیف ہے اور مدلس ہے تو بالکل قابل قبول نہیں ہے۔ لیکن راوی ثقہ ہے اور تدلیس کرتا ہے تو گویا یہ تدلیس اتصال سند نہ ہونے کی دلیل ہے، گویا کہ یہاں اعتراض اتصال سند کے فقدان پر ہے راوی پر جرح تدلیس کی وجہ سے ہے اس کی عدالت یا ضبط کی وجہ سے نہیں ہے۔

اس کے بارے میں مختلف مؤقف ہیں۔

ایک مؤقف تو یہ ہے کہ مدلس کی تمام روایات مردود ہیں۔ تحدیث کرے یا نہ کرے۔

اتصالِ سند
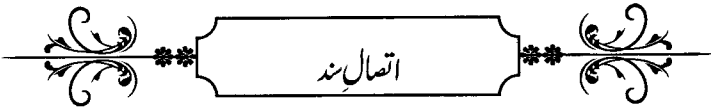
دوسرا موقف یہ ہے کہ مدلس کی ہر روایت مقبول ہے جس طرح مرسل روایت مقبول ہے۔

تیسرا موقف یہ ہے کہ وہ مدلس جو کم تدلیس کرتا ہے اس کی روایت قابل قبول ہے۔ الا یہ کہ پتہ چل جائے کہ اس نے یہاں تدلیس کی ہے۔ یہ موقف علی بن مدینی اور امام مسلم رحمہما اللہ کا ہے۔

چوتھا موقف یہ ہے کہ ثقہ مدلس ہو اس کی جب تک تحدیث ثابت نہ ہو اس وقت تک اس کی روایت قابل قبول نہیں ہے۔ یہ موقف امام شافعی اور خطیب بغدادی رحمہما اللہ کا ہے اور اکثر اسی کو قبول کرتے ہیں۔ [1]

کہنے کا مقصد یہ تھا کہ مدلسین کی روایتوں کے قبول ورد کے بارے میں خاصا اختلاف ہے۔

پھر ایسی صورت بھی ہے بعض راویوں پر ارسال خفی کی وجہ سے تدلیس کے لفظ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ اس کے لئے لفظ بولتے ہیں تجوزا من الارسال الی التدلیس، جیسا کہ ابن حبان رحمہ اللہ اس طرح کہہ دیتے ہیں، جو ارسالِ خفی بیان کرتا ہے اس راوی کو بھی مدلس کہہ دیا جاتا ہے۔ [2]

اگر کوئی اس کو مدلس کہتا ہے، اور کہنے والا یہ فرق نہیں کرتا کہ یہ مدلس ہے بھی کہ نہیں، اس وقت تک وہ تو یہی کہے گا کہ اس کی روایت قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ اس کی روایت تو معنعن ہے۔ حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ یہ اصطلاحی مدلس نہیں ہے، اس پر یہ الزام ارسال کی وجہ سے آیا ہے، اب مرسل میں اور تدلیس میں بڑا فرق ہے۔

بعض ائمہ کی مدلس سے روایت سماع پر محمول ہوگی؟

تدلیس کے بارے میں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ بعض ائمہ ایسے ہیں کہ وہ اگر مدلسین سے روایت کریں تو ان کی بیان کی ہوئی روایت سماع پر محمول ہوتی ہے، وہاں تدلیس کا

---

[1] یہ تمام اقوال تدریب الراوی میں موجود ہیں۔

[2] اس حوالے سے مزید تفصیل جاننے کے لئے دیکھئے استاد محترم حفظہ اللہ کی شہرہ آفاق کتاب "توضیح الکلام" کا صفحہ نمبر ۳۱۳ جدید ایڈیشن

اتصالِ سند
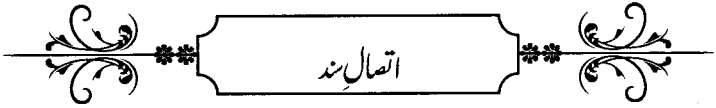
شائبہ ختم ہوجاتا ہے، مثال کے طور پر امام شعبہ رحمہ اللہ ہیں، ان کے بارے میں یہ ہے کہ وہ مدلس سے وہی روایات بیان کرتے ہیں کہ جو سماع پر محمول ہیں، وہ سماع کی تصریح کریں یا سماع کی تصریح کئے بغیر اختصار سے معنعن ہی روایت کردیں۔ ان کی مدلس سے بیان کی ہوئی روایت محمول علی السماع ہوگی۔ البتہ ایک دو روایتیں ایسی ہیں، کہ جنہیں سماع پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً قتادہ رحمہ اللہ مشہور مدلس ہیں، اوران کے حوالے سے امام شعبہ رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں، کہ میں نے کبھی بھی مداہنت نہیں کی میں ہمیشہ امام قتادہ رحمہ اللہ کے منہ کی طرف دیکھتا رہتا تھا، (رایت الی فم قتادة) کہ وہ روایت بیان کرتے ہوئے کیا لفظ بولتے ہیں؟ ''قال''، کہتے ہیں، یا ''سمعت'' کہتے ہیں، یا ''حدثنی'' کہتے ہیں۔ ''قال'' کہتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ وہ سماع کی صراحت نہیں کرتے۔ ایک روایت کے بارے میں پوچھ نہ سکا۔ اور وہ روایت صحیح مسلم کی ہے، کہ قتادہ رحمہ اللہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سووا صفوفكم، فإن تسوية الصف، من تمام الصلاة''[1] یعنی اپنی صفوں کو برابر کرو صفوں کا برابر کرنا نماز کے مکمل کرنے میں سے ہے۔

امام شعبہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے کبھی بھی مداہنت نہیں کی لیکن اس روایت کے بارے میں قتادہ سے نہ پوچھ سکا کہ آپ نے انس رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے یا نہیں کیا۔

اور یہ بات ان سے امام سراج رحمہ اللہ نے مسند سراج میں نقل کی ہے، حافظ اسماعیلی رحمہ اللہ نے مستخرج میں، اور اسی مستخرج کے حوالے سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کو نقل کیا ہے۔[2]

---

[1] صحیح مسلم: ۴۳۳

[2] مسند سراج: ۷۴۰، ادارہ علوم الاثریہ، فتح الباری: ۲/ ۲۷۱، دارالسلام ریاض

اتصالِ سند

اشکال

اب یہاں یہ مسئلہ بھی ضمناً آجائے، کہ جس طرح یہ روایت صحیح مسلم میں ہے اسی طرح صحیح بخاری میں بھی ہے، (1) اب اصول یہ ہے کہ بخاری ومسلم کی تمام روایات محمول علی السماع ہیں، اب یہاں کیا کیا جائے؟ یہاں تو شعبہ رحمہ اللہ خود کہتے ہیں کہ میں امام قتادہ رحمہ اللہ سے نہیں پوچھ سکا، تو یہ محمول علی السماع کیسے ہوگی؟ اب یہ اشکال ہے۔

اشکال کا جواب

اب آپ دیکھیں امام بخاری رحمہ اللہ نے کیا کیا ہے؟ اسی سے امام بخاری رحمہ اللہ کی مرتبت اور جلالت کا پتہ چلتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو ذکر کرنے سے پہلے اسی مفہوم کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ پھر یہ روایت ذکر کی ہے۔ (2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تدلیس کے حوالے سے اس بات کو سمجھتے تھے، اسی لئے انہوں نے بنیاد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر رکھی، اور تائید میں انس رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی، لہذا انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں تدلیس کا شائبہ تھا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت (شاہد) آنے کی وجہ سے، وہ موردالزام نہ رہی، لیکن مسلم رحمہ اللہ میں باقی رہی، اسی سے پتہ چلتا ہے کہ صحت کے حوالے سے جو احتیاط اور جو اہتمام امام بخاری رحمہ اللہ کا ہے وہ مسلم رحمہ اللہ کا نہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ امام مسلم رحمہ اللہ سے کہیں زیادہ فائق ہیں، اور اس کا اقرار تو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے۔

بہر حال شعبہ رحمہ اللہ جب روایت کرتے ہیں مدلسین سے تو ان کی روایت محمول علی السماع ہوتی ہے۔

---

(1) صحیح بخاری: ۷۲۳

(2) صحیح بخاری: ۷۲۲

اتصالِ سند
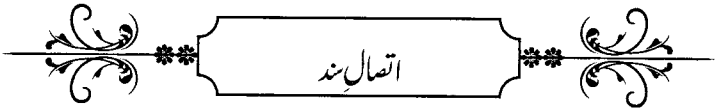
اسی طرح ابوزبیر محمد بن مسلم مدلس ہیں، لیکن امام لیث جب ابوزبیر سے روایت کریں تو ان کی ہر روایت ابوزبیر سے محمول علی السماع ہوگی۔

اسی طرح ابواسحاق سے زہیر بن معاویہ روایت کریں تو ان کی روایت ابواسحاق سے محمول علی السماع ہوگی۔

ہشیم بن بشیر مدلس ہیں، لیکن امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہشیم جب حصین سے روایت کرتے ہیں، تو ہشیم کی حصین سے روایت محمول علی السماع ہے۔[1] یا اسی طرح آپ دیکھیں ابن جریج مدلس ہیں لیکن ابن جریج جب عطاء سے روایت کرتے ہیں تو تدلیس نہیں کرتے۔ اسی طرح یحی بن سعید جب مدلسین سے روایت کریں، تو ان کی روایت بھی مدلسین سے محمول علی السماع ہوتی ہے۔ یہ مختلف کتابوں سے میں نے یہ آپ کے سامنے خاکہ رکھا ہے۔

۲ کثرتِ ارسال

کثیر الارسال راوی کی روایت بھی محل نظر ہے۔ راوی کا کثیر الارسال ہونا جرح کا باعث نہیں ہے عطاء بن ابی رباح، طاؤس رحمہما اللہ کثرت سے ارسال کرتے ہیں، لیکن ان کے ارسال کرنے کی وجہ سے ان کے عدالت وضبط پر کوئی حرف نہیں ہے۔ البتہ یہ موضوع بحث اپنی جگہ پر ہے کہ یہ روایت انہوں نے مرسل بیان کی ہے اس ارسال کی کوئی مؤید ہے یا نہیں ہے؟؟

۳ کثرت سے منکر، متروک، مجاہیل سے روایت کرنا

کوئی راوی منکر، متروک، مجاہیل سے بکثرت روایت بیان کرتا ہے۔ یا یوں کہہ لیں کثرت سے مناکیر بیان کرتا ہے، ثقہ تو ہے لیکن کثرت سے منکر بیان کرتا ہے۔ منکر کا مطلب مجہول سے، ضعفاء سے کثرت سے روایتیں کرتا ہے۔ ثقہ، ضعیف سے روایتیں کرلیتا ہے، یہ عیب نہیں ہے،

---

[1] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لَيْسَ أحد أصح حَدِيثا عَن حُصَيْن من هشيم'' (سوالات ابی داؤد لاحمد: 443)

اتصالِ سند

لیکن کثرت سے ضعیف، متروک اور منکر راویوں سے روایت کرنا، یہ باعث عیب ہے۔ مثلاً ثابت بن عجلان کے بارے میں امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لا یتابع علی حدیثہ اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی جاتی۔[1] ابن القطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ذلک لا یضرہ الا اذا کثر منه روایة المناکیر و مخالفة الثقات۔ یعنی کسی کا اس کو متابعت نہ کرنا اس کو نقصان نہیں دیتا۔ کثرت سے منکر روایتیں اور ثقات کی مخالفتیں کرے تو پھر اس کی روایت قابل قبول نہیں ہے۔[2] (صرف مؤید نہ ہونے کی وجہ سے لا یتابع کہنے سے اس کی روایت نا قابل قبول نہیں ہوگی بلکہ یہ اس وقت ہے کہ جب کثرت سے اس عمل کا ارتکاب کرتا ہے) یا جس طرح حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے احمد بن عتاب کے بارے میں کہا ہے: ماکل من روی المناکیر یضعف۔ ہر وہ راوی جو مناکیر بیان کرے یہ نہیں کہ وہ ضعیف ہے۔[3]

ثقات سے منکر روایتیں بھی موجود ہیں، ثقات ضعیف سے بھی روایت کرتے ہیں، شعبہ رحمہ اللہ ضعیف سے بھی روایت کرتے ہیں اور بھی کئی ثقہ راوی ہیں جو ضعیف سے روایت کرتے ہیں لیکن یہ باعثِ نقد اور باعثِ ہدف اس وقت ہے، جس وقت وہ کثرت سے مناکیر روایتیں بیان کرتے ہوں، کثرت سے مجاہیل وضعفاء سے روایت کرتا ہو، تو پھر اس راوی کی حیثیت وہ نہیں رہتی جو ثقہ اور اثبات راویوں کی ہوتی ہے۔

---

[1] کتاب الضعفاء:۱/ ۱۹۳ ترجمہ نمبر ۲۱۹، دارالصمیعی

[2] تہذیب التہذیب:۱/ ۲۶۶ عبارته ورد ذلك علیه ابن القطان وقال في قول عقیلي: "لا یتابع علیه" إن هذا لا یضر إلا من لا یعرف بالثقة وأما من وثق فانفراده لا یضره. بیان الوهم والایهام ، ۵/ ۳۶۲، ترجمہ نمبر: ۲۵۳۵، و عبارته: و هذا من العقیلی تحامل علیه ، فانه یمس بهذا من لا یعرف بالثقة ، فاما من عرف بها، فانفراده لایضره، الا ان یکثر ذلک منه۔

[3] میزان الاعتدال:۱/ ۱۴۵، ترجمہ نمبر ۵۶۲، احمد بن عتاب المروزی

اتصالِ سند
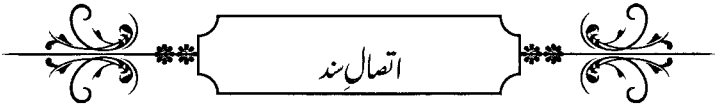
کیا وہم کی جرح سے راوی کی تمام روایتیں کمزور ہو جائیں گی؟

اب یہ بھی دیکھیں کہ صدوق ربما وهم ، صدوق يهم ، ثقة له اوهام ہے تو کیا ہم ثقہ اور صدوق کی تمام روایتوں کو کمزور سمجھتے ہیں، کیا اصول ہے؟ اللہ محدثین رحمہم اللہ پر رحمتیں فرمائے، آپ اندازہ کریں کہ وہم سے کوئی بھی نہیں بچا ہوا، سفیان ثوری، شعبہ، ابن عیینہ، امام مالک رحمہم اللہ کی روایتوں میں وہم ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ نے تو مستقل رسالہ لکھ دیا ہے کہ کن کن روایتوں میں امام مالک رحمہ اللہ سے وہم ہوا ہے۔لیکن کسی محدث نے یہ نہیں کہا کہ مالک ثقة ،ثبت له اوهام کسی نے نہیں کہا ہے۔ کیونکہ یہ جو ہزاروں روایتوں میں چند اوہام ہیں، یہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔اس لئے جہاں انسانی بشری ناطے وہم ہو گیا، وہاں علماء نے بتلا دیا وہم کی نسبت نہیں کی، ہم تو انسان کی کمزوریوں کی بناء پر کمزوریوں کو اچھالتے ہیں، محدثین کمزوریوں کو نہیں اچھالتے، وہ اس پہ اتنا ہی وزر (بوجھ) ڈالتے ہیں، جتنے کا وہ مستحق ہوتا ہے۔مثال کے طور پر جس راوی کی ایک ہزار روایتیں ہیں اور پانچ میں خطا کرتا ہے اور راوی پر جرح ''له اوهام'' کی ہے۔کیا پانچ روایتوں میں اوہام کی وجہ سے، باقی تمام روایتیں تشکیک کا شکار سمجھی جائیں گی؟ نہیں ، بلکہ صرف انہیں روایات کو کمزور قرار دیا جائے گا، جہاں وہم ثابت ہوگا اور وہم ثابت کب ہوگا؟ تقابل سے، اعتبار سے، اسانید کے مقارنہ سے وہم کا اثبات ہوگا، اور یہ واضح ہوگا کہ اس سے یہاں یہ غلطی ہوئی ہے، یہ وہم ہوا ہے، اس کی ہر روایت کو وہم کا شکار نہیں سمجھیں گے۔

اسی طرح ایسے راوی بھی ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ثقة ربما يدلس تو کیا ربما يدلس کہنے سے سب کی سب روایتوں میں تدلیس سمجھیں گے؟ نہیں۔ بلکہ وہیں سمجھیں گے کہ جہاں تدلیس کا معاملہ ہوگا، ورنہ یہ (کبھی کبھار اور اکثر کی) تفریق کرنے کا کوئی فائدہ ہی باقی نہیں رہتا۔

آپ دیکھیں جرح تعدیل میں یہ سارے الفاظ مستعمل ہیں:

ثقة ،ثبت ، حجة

اس کے بعد صدوق ، لاباس به

اس کے نیچے يكتب حديثه

اتصالِ سند

پھر اس کے نیچے یعتبر حدیثہ

ان کے مقابلے میں یہ الفاظ ہیں:

یہ کذاب ہے، یہ وضاع ہے۔

اسی طرح متروک، سئی الحفظ، کثیر الخطا، فاحش الغلط ہے،

پھر اس سے نیچے لا یعتبر حدیثہ، ہے۔

اب ان درجات میں فرق ہے یا نہیں، لا یعتبر اور یعتبر میں فرق ہے یا نہیں، یقیناً بڑا فرق ہے۔ امام علی بن مدینی کی تو اس موضوع پر مستقل ایک کتاب ہے، افسوس یہی ہے کہ وہ کتاب ضائع ہوگئی، جس میں انہوں نے ان راویوں کو جمع کر دیا تھا کہ جن کی روایتیں قابلِ اعتبار ہیں، اور جن کی نا قابلِ اعتبار ہیں کہ ایک وہ راوی ہے کہ مقارنہ وتقابل کے لئے اس کی روایت کو قبول کیا جاتا ہے۔ اور دوسرا جو وضاع یا کذاب ومتروک ہے، اس کی روایت کا ہونا، نہ ہونا برابر ہے، اس کی روایت کو قابل اعتبار بھی نہیں سمجھا جاتا۔ یہ علماء کے نزدیک ان درجات کے درمیان تفریق ہے، جب آپ اس تفریق کو ملحوظ نہیں رکھیں گے تو یہ سب کو ایک ہی گرہ سے باندھنے کے مترادف ہوگا اور یہ محدثین کا منہج نہیں ہوگا۔ ورنہ "صدوق ربما یدلس"، "صدوق ربما یھم"، "ھذا یکتب حدیثہ"، "ھذا لا یکتب حدیثہ"، "یعتبر بہ"، "لایعتبر بہ"۔ اس تفریق کا کیا فائدہ ہوگا؟؟

[یعتبر حدیثہ] یعنی روایت کو سمجھ لو۔

[یکتب حدیثہ]، اس کی روایت لکھنے کے قابل ہے۔

[لا یکتب حدیثہ] چھوڑ و اس کو، بالکل اس کی روایت لکھنے کے قابل نہیں ہے، یہ متروک کے درجے میں ہے۔

لہذا الفاظ الجرح والتعدیل کی اس تفریق اور مراتب کو جب تک ان مراتب کے تناظر میں نہیں سمجھیں گے، ہم محدثین کے منہج کو صحیح طور پر اپنانے وسمجھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

بہر حال عدالت وضبط کے علاوہ بھی راویوں کی جرح وتعدیل کی کئی پوزیشنیں ہیں۔ جنہیں بیان کیا گیا۔
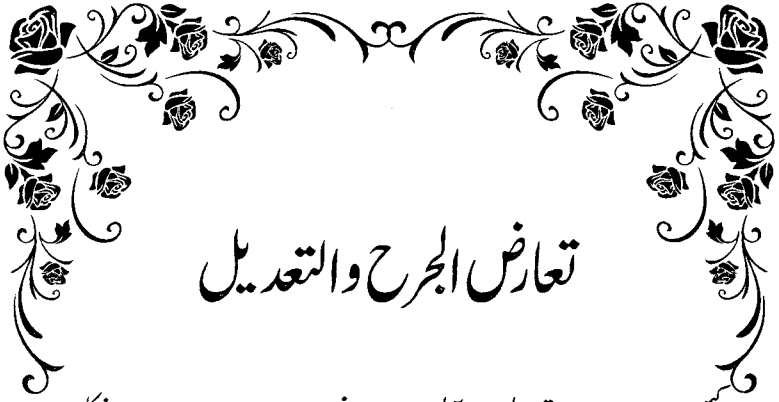
تعارض الجرح والتعدیل

کبھی راویوں پر جرح وتعدیل میں آپس میں تعارض ہوجاتا ہے، سب سے بڑا مشکل مسئلہ یہ ہے کہ ایک راوی کو بعض محدثین ثقہ کہہ رہے ہیں، دوسرے محدثین ضعیف کہہ رہے ہیں۔

تطبیق وتوفیق کی پہلی صورت

ایسی صورت میں یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ محدثین کون ہیں؟ اور یہ تعدیل کس نوعیت کی ہے؟ یہ نقد ہے تو کیا یہ نقد عدالت پر ہے یا ضبط پر ہے؟ بسا اوقات عدالت مجروح نہیں ہوتی، ضبط مجروح ہوتا ہے۔ بسا اوقات ضبط مجروح نہیں ہوتا، عدالت مجروح ہوتی ہے۔

اب دیکھئے سلیمان بن داوٗد شاذکونی، حافظ ہیں، تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ذکر ہے،[1] لیکن عدالت نہیں ہے، وضاع، متروک ہیں، اب حفظ وضبط کے باوجود عدالت نہیں ہے۔ اس لئے راوی کے بارے میں یہ دیکھنا چاہئے کہ راوی پر کی گئی جرح کس تناظر میں ہے؟ یہ اختلاف کی پوزیشن ضبط کے اعتبار سے ہے یا عدالت کے اعتبار سے ہے؟ اگر عدالت کے اعتبار سے ہے تو تطبیق وتوفیق کی ایک صورت ہماری سمجھ میں آگئی کہ جنہوں نے جرح کی ان کی جرح عدالت کی وجہ سے ہے، اور جنہوں نے تعدیل کی ان کی تعدیل ضبط کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی کہ جنہوں نے تعدیل کی، ان کی تعدیل عدالت کی وجہ سے ہے۔ اور جنہوں نے جرح کی ان کی جرح ضبط کی وجہ سے ہے۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ۴۸۸، احیاء التراث، ابوایوب سلیمان بن داوٗد البصری الشاذکونی

تعارض الجرح والتعدیل

آپ حیران ہوں گے کہ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علم الرجال شاذکونی سے جا کے سیکھو، [1] لیکن خود امام احمد رحمہ اللہ، شاذکونی کو ضعیف بھی قرار دیتے ہیں۔ [2] یعنی ایک فن کا وہ آدمی ہے اور دوسرے فن کا وہ آدمی نہیں ہے، یہ تو اللہ کی مرضی ہے، کہ اللہ ایک آدمی کو متعدد فنون سے نواز دے، اور بہت سی صفات سے اسے بارآور فرمائے۔ یہ تو اللہ رب العزت کی عطا ہے۔

بہرحال راویوں میں انسانی تقاضوں کے مطابق اکثر و بیشتر یہ تفریق پائی جاتی ہے، کہ ایک شخص عادل ہے لیکن ضبط مجروح ہے، یا عدالت مجروح ہے اور ضبط کی تعدیل کی گئی ہے۔ تو ایسے اختلاف میں یہی دیکھنا چاہئے کہ وہ جرح یا تعدیل عدالت کی نسبت سے ہے یا ضبط کی نسبت سے ہے

تطبیق وتوفیق کی دوسری صورت

بسا اوقات تضعیف یا توثیق دونوں ہی نسبی اعتبار سے ہوتی ہے، نسبی کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک ہی صفت میں تین چار راویوں کا ذکر کر دیا جائے، اور کہہ دیا جائے کہ یہ راوی ثقہ ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ راویوں کو آپس میں تقابل کی صورت میں پیش کیا جائے، مثال کے طور علاء بن عبدالرحمان ہیں، امام یحیی بن معین رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں کہا کہ لیس به باس [3] لیکن عثمان دارمی یہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: هو احب اليك او سعيد المقبری یعنی: علاء بن عبدالرحمان آپ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہیں یا سعید المقبری زیادہ

---

[1] عمرو الناقد کہتے ہیں شاذکونی جب بغداد آیا تو احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مجھے کہا: " اذهب بنا الى سليمان نتعلم منه نقد الرجال " (تذکرۃ الحفاظ: ایضاً)

[2] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں کہا: " ذَاكَ الخائب " (العلل ومعرفة الرجال: ۲۹۰۰)، سیر اعلام النبلاء میں ہے کہ " جالس حماد بن زيد، ويزيد بن زريع، وبشر بن المفضل، فما نفعه الله بواحد منهم " (سیر اعلام النبلاء: ۱۰/۶۸۱)

[3] موسوعہ تاریخ ابن معین: ۲/۲۳۹

پسندیدہ ہیں، تو فرمانے لگے: سعید اوثق والعلاء ضعیف، [1] اب دیکھیں! ایک جگہ کہا: علاء لیس بہ باس ،لیکن جب سعید مقبری کے مقابلے میں بات آئی ہے، تو علاء کو ضعیف کہہ رہے ہیں، اب یہ ضعف توثیق کے مقابلے میں ہے، اس کو تضعیف نسبی کہتے ہیں۔ یعنی علاء کی یہ تضعیف سعید المقبری کے مقابلے میں ہے، ورنہ جب مقابلے کے بغیر ان سے سوال کیا گیا تو فرمایا وہ "لیس بہ باس" ہے۔

اسی طرح عبدالرحمان بن سلیمان کی، امام یحی بن معین، امام نسائی، امام ابوزرعہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم نے توثیق کی ہے۔ [2] لیکن بعض نے اس میں کلام بھی کیا ہے، اب یہ کلام کس تناظر میں ہے؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صاف فرمایا ہے: بعض نے ان پر ضعف کا جو حکم لگایا ہے، یہ ثقات کے مقابلے میں لگایا ہے، ورنہ فی اصلہ وہ ثقہ ہے، جس طرح کہ باقی نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

جرح وتعدیل میں جس وقت اختلاف ہو تو اختلاف کو حل کرنے کی یہ دو صورتیں ذکر کی گئی ہیں۔

تطبیق وتوفیق کی تیسری صورت

اسی طرح تعارض الجرح والتعدیل میں تطبیق کی ایک صورت امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے الجرح والتعدیل میں ذکر کی ہے۔ یہ عموماً جو اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں یہ بات نہیں ہے۔ کہ جب

---

[1] امام ابن معین سے علاء کے بارے میں بعض تضعیفی جیسے لیس حدیثہ بحجۃ ،لیس بالقوی، اقوال بھی ملتے ہیں، ان کی حیثیت کو جاننے کے لئے استاد محترم کی شہرہ آفاق کتاب توضیح الکلام صفحہ نمبر: ۱۶۷، ۱۶۸ کا مطالعہ کیا جائے۔

[2] عبدالرحمان بن سلیمان کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے: "وثقه بن معين والنسائي وأبو زرعة والدارقطني وقال النسائي مرة ليس به بأس ومرة ليس بالقوي وقال ابن حبان كان يخطئ ويهم كثيرا مرض القول فيه أحمد ويحيى وقالا صالح وقال الأزدي ليس بالقوي عندهم وقال بن عدي هو ممن يعتبر حديثه ويكتب قلت تضعيفهم له بالنسبة إلى غيره ممن هو أثبت منه من أقرانه وقد احتج به الجماعة سوى النسائي" (ہدی الساری: ۲/ ۱۱۰۹، دار طیبہ)
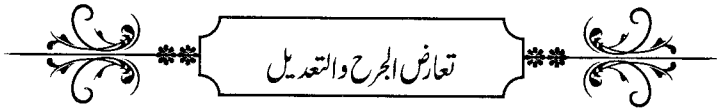
تعارض الجرح والتعدیل

ایک ہی راوی کے بارے میں الجرح والتعدیل مختلف ہو، تو دیکھنا چاہئے کہ اس راوی کے بارے میں دوسرے ائمہ جرح وتعدیل کیا کہتے ہیں، اب اگر اس کے بارے میں تعدیل کے الفاظ زیادہ ہیں تو اس راوی کی تضعیف قبول نہیں کی جائے گی۔ وہ مثال بھی دیتے ہیں، کہ مبارک بن فضالہ اور ربیع بن صبیح یہ دونوں مقبول ہیں۔ لیکن یحی بن معین رحمہ اللہ سے ان کے بارے میں جرح منقول ہے۔[1] اب یحی بن معین رحمہ اللہ کی جرح کا حکم جاننے کے لئے امام یحی کے معاصرین امام احمد بن حنبل، امام علی بن مدینی وغیرہ رحمہم اللہ، انہوں نے ان کے بارے میں کیا کہا ہے؟ اب جو مفہوم انہوں نے لیا ہے اس کو مقدم سمجھا جائے گا۔ (کیونکہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں۔) اس تنہا قول کو قابل قبول نہیں جانا جائے گا۔

تطبیق وتوفیق کی چوتھی صورت

تطبیق وتوفیق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک قول تجریح کا ہو، باقی اس کی توثیق کرتے ہیں ایسی صورت میں اکیلے محدث کی تضعیف قابل قبول نہیں ہے۔ جنہوں نے توثیق کی ہے اس کو ترجیح دی جائے گی۔ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے جرح وتعدیل میں کہ بعض افراد ایسے ہوتے ہیں

---

[1] الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم میں ربیع بن صبیح کے ترجمے میں ہے کہ ابن ابی خیثمہ ابن معین سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ضعیف الحدیث کہا۔ اور مبارک بن فضالہ کے ترجمے میں ربیع بن صبیح کے بارے میں یہ قول موجود ہے کہ عثمان بن سعید نے ابن معین سے لیس بہ باس نقل کیا۔

اور مبارک بن فضالہ کے بارے میں ہے کہ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے ابن معین سے مبارک بن فضالہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ضعیف الحدیث۔ یہ نقل کرنے کے بعد آخر میں ابن ابی حاتم فرماتے ہیں:

"اختلفت الرواية عن يحيى بن معين في مبارك بن فضالة والربيع بن صبيح واولاهما ان يكون مقبولا محفوظا عن يحيى ما وافق احمد وسائر نظرائه"

گویا کہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے مختلف اقوال ذکر کر کے ان کے مابین تطبیق دینے کے لئے دوسرے معدلین کی کثرت کو سامنے رکھا ہے۔

تعارض الجرح والتعدیل

جو جرح میں متشدد ہیں، آج بھی یہ کیفیت ہے۔ جو چھوٹی چھوٹی باتوں کو بڑی بات بنالیتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو تساہل پسند ہیں، وہ نظر انداز کر دیتے ہیں، بعض وہ ہیں جو بین بین ہیں اور متساہل نہیں ہیں۔ وہ گرمی دکھاتے ہیں اور نہ تساہل ہوتا ہے۔ جیسے یہ طبیعت میں ایک انسانی تقاضہ ہے، بالکل اسی فطری تقاضے سے یہ محدثین بھی محفوظ نہیں ہیں، یہ بھی ان کے مابین ایک فطری تقاضہ ہے۔ ان میں بھی کچھ متساہل ہیں، بعض معتدلین ہیں اور کچھ متشدد ہیں۔ تو یہ تساہل پسندی بھی درست نہیں ہے اور نہ ہی تشدد، کیونکہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کا ہے۔ تو ایسی صورت میں یہ دیکھنا چاہئے کہ کہیں جرح کرنے والے متشدد تو نہیں ہیں کہ معمولی بات پر انہوں نے حکم زیادہ لگا دیا ہو۔ اگر متشدد ہیں تو ان کی جرح قبول نہیں ہے، جبکہ ان کے مقابلے میں معتدلین نے توثیق کی ہو۔

بسا اوقات جرح کا سبب معاصرت بھی ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں عموماً یہ بات کہی جاتی ہے کہ المعاصرة اصل المنافرة ،معاصرت، منافرت کی جڑ ہے۔ معاصرت کی وجہ سے بڑے بڑے حضرات کو معاصرین تسلیم نہیں کرتے۔ یہ انسانی کمزوری ہے۔ یہ نہیں ہونی چاہئے اور خصوصاً بڑے لوگوں میں نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن بہرحال یہ انسانی کمزوری ہے۔ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ یہ جرح معاصرت کا شاخسانہ تو نہیں ہے۔

اسی طرح مذہبی وفکری اختلاف بھی جرح کا سبب بن جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ یہ جرح کا سبب فکری اختلاف تو نہیں ہے۔ ان مختلف قرائن کے ذریعے سے جرح اور تعدیل کے مابین توافق اور تطبیق کی صورت پیدا کی جاسکتی ہے۔

البتہ جرح مفسر ہو تو وہ مقدم ہوگی، ایک ہے جرح مبہم جیسے ضعیف کہا جائے اور ایک یہ ہے کہ ضعیف، سئ الحفظ اور فاحش الغلط ہے، ایسی صورت میں جرح، تعدیل سے مقدم ہوگی۔ کیونکہ جرح کرنے والے کے پاس دلیل موجود ہے اب اس کی جرح مقدم ہوگی دلیل کی وجہ سے۔
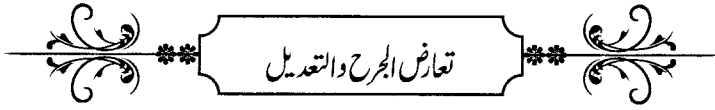
تطبیق وتوفیق کی پانچویں صورت

توثیق کے کلمات میں یہ بھی ایک کیفیت ہوتی ہے۔ثقہ کا لفظ جو ہم اصطلاحی ثقہ کا لفظ بولتے ہیں جس سے مراد راوی کی عدالت یا راوی کا ضبط ہوتا ہے۔لیکن بسا اوقات یہ ثقہ کا لفظ معروف معنی میں نہیں بولتے ،بسا اوقات ایک ہی راوی کے بارے میں ایک ہی شخص جرح بھی کر رہا ہے اور تعدیل بھی کر رہا ہے۔ یہ تو دو مختلف افراد کے باہم تعارض سے اور زیادہ سخت قسم کا تعارض ہے۔ یہاں ایک ہی محدث کے اقوال میں اختلاف ہے،مثال کے طور پر امام یحی بن معین رحمہ اللہ نے عبد الرحمان بن زیاد کے بارے میں کہا کہ لیس به باس [1] اور امام یحی بن معین رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ جس کے بارے میں "لیس به باس" کہوں تو وہ آدمی ثقہ ہوتا ہے۔ [2]

تو یہاں لیس به باس کہا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وهو ضعیف ، یہ تو دونوں متضاد باتیں ہوئیں، کہ جو ثقہ ہے وہ ضعیف کیسے ہے؟ اور جو ضعیف ہے وہ ثقہ کیسے ہے؟ تو ایسی صورت میں علماء نے کہا ہے کہ ثقہ کا لفظ راوی کی توثیق نہیں بلکہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی عدالت تو ثابت ہے، یعنی کذاب نہیں ہے، متہم نہیں ہے۔ باقی جو اوصاف ہیں اس کے حوالے سے وہ اس کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ یعنی عدالت کے تناظر میں تعدیل ہے اور ضبط کے تناظر میں تضعیف ہے۔

اب دیکھئے اسی طرح ربیع بن صبیح کے بارے میں انہوں نے کہا کہ صدوق ، ثقة اور ساتھ

---

[1] دوری کہتے ہیں کہ میں نے یحی بن معین سے سنا وہ کہہ رہے تھے: "الافریقی، لیس به باس ، و فیه ضعف (۵۰۲۵) استاذ محترم کی بیان کردہ تطبیق کی رو سے اس کی عدالت صحیح ہے اور باقی اوصاف کے لحاظ سے یہ ضعیف ہے۔ ابن معین سے ابن محرز، دارمی، ابن طھمان، ابن ابی خیثمہ نے بھی تضعیفی اقوال نقل کئے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے موسوعہ اقوال ابن معین

[2] الکفایة :۱/۲۲، و مقدمه ابن الصلاح: ۱/ ۱۲۴، عبارت یہ ہے: ابن ابی خیثمہ کہتے ہیں کہ: "قلت ليحيي بن معين: إنك تقول: فلان ليس به بأس، وفلان ضعيف؟ قال: إذا قلت لك: ليس به بأس، فهو ثقة، وإذا قلت لك: هو ضعيف، فليس هو بثقة، ولا يُكتب حديثه"

ہی کہتے ہیں: ضعیف جداً، اب صدوق، ثقہ بھی ہے، اور ضعیف جداً بھی ہے۔ یہ دونوں آپس میں متضاد ہیں، لیکن یہاں بھی وہی معاملہ ہے کہ عدالت میں وہ صدوق، ثقہ ہے۔ لیکن باقی کمزوریوں یعنی سوءِ حفظ میں وہ کمزور ہے۔[1]

بسا اوقات ثقہ کا لفظ معروف توثیق کے معنی میں نہیں بولا جاتا، جب ایک ہی محدث سے دونوں طرح کے الفاظ برابر برابر آئیں جو کہ رواۃ میں موجود ہے۔ تو یہ توفیق کی ایک صورت بیان کی گئی ہے۔ اور بہت سے راوی ہیں، اسحاق بن یحی، اسرائیل بن یونس، سفیان بن حسین کے بارے میں ایک ہی محدث سے توثیق بھی ہے اور تضعیف بھی ہے۔

اسی طرح ثقہ کا لفظ ایک اور معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ اوثق کے لئے جب اس کے مقابلے میں ثقہ ہو، مثال کے طور پر امام مروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ عبدالوھاب بن عطاء کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ فرمانے لگے: ثقة۔ میں نے پھر پوچھا: کیا وہ ثقہ ہیں؟ تو کہنے لگے کہ انما الثقة يحي القطان کہ ثقہ تو یحی القطان ہیں۔[2] اب ثقہ بھی ہے، مقابلے میں پوچھا گیا تو کہا کہ ثقہ تو یحی القطان ہیں۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ درجے کے ثقہ تو یحی القطان ہیں۔ یعنی عبدالوھاب بن عطاء بھی ثقہ ہیں، لیکن اعلی درجے کے ثقہ یحی القطان ہیں۔ اسی طرح خالد بن دینار ابوخلدہ کے بارے میں عبدالرحمان بن مہدی کہتے ہیں کہ حدثنا ابوخلدة۔ روایت بیان کی۔ راوی پوچھتا ہے کہ كان الثقة بتلائیے کہ کیا

---

[1] ابن معین سے رواۃ کی جرح وتعدیل کے حوالے بکثرت مختلف روایات ملتی ہیں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حافظ سخاوی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں: "وقد سأله عن الرجال غير واحد من الحفاظ، ومن ثم اختلفت آراؤه وعبارته في بعض الرجال كما اختلف اجتهاد الفقهاء وصارت لهم الأقوال والوجوه، فاجتهدوا في المسائل، كما اجتهد ابن معين في الرجال" (فتح المغيث: ۴/۴۳۹)

[2] تہذیب الکمال: ۱۸/۵۱۱، مؤسسۃ الرسالۃ
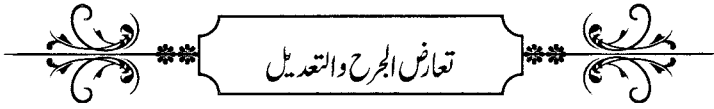
تعارض الجرح والتعدیل

ابوخلدہ ثقہ ہیں؟ کہنے لگے کان مامونا خیاراً ، الثقة شعبة و سفیان [1] اب دیکھئے کہ مامون وخیار ہیں اور ثقہ شعبہ اور سفیان ہیں۔یعنی ثقہ کا لفظ اوثق کے لئے بولتے ہیں اور یہ جب بولتے ہیں جب مقابل میں ایک اور ثقہ آئے۔اس موضوع پر ابھی دو چار سال ہوئے بہت اچھی کتاب آئی ہے۔قرائن التجریح والتعدیل الدکتور عبدالعزیز بن عبداللہ الصالح کی، 500 صفحات پر مشتمل یہ کتاب ہے۔

*****

[1] تہذیب الکمال:۸/۵۸،مؤسسۃ الرسالۃ

رواۃ کی ولادت، وفیات اور رحلات کا علم

علم رجال کی معرفت کے حوالے سے ایک مرحلہ یہ بھی آتا ہے کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ راوی کی پیدائش کب ہے اور وفات کب ہے؟ روایتیں بھی آتی ہیں، حکایتیں بھی آتی ہیں اور اس کے بیان کرنے والے بھی اچھے خاصے راوی ہوتے ہیں، لیکن جس وقت تقابل کیا جاتا ہے، اس وقت پریشانی ہوتی ہے کہ یہ بات سچی اور درست معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے یہ جو وفیات کے علم کو جاننے کا ایک مستقل عنوان رکھا ہے۔ کیونکہ کچھ ایسے راوی ہیں جو کہتے ہیں کہ میں نے فلاں سے سماع کیا ہے، فلاں سے سماع کیا ہے، اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے، اور بڑا بنانے کے لئے، لیکن جب پوچھا جائے کہ آپ پیدا کب ہوئے؟ تو کہتے ہیں جی فلاں سن میں۔ جب پیدائش کی بات بتلاتے ہیں تو عُقدہ کھل جاتا ہے کہ یہ تو پیدا ہی حضرت صاحب کی پیدائش کے بعد ہوئے ہیں۔ تو اس طرح اس کا جھوٹ واضح ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ اسماعیل بن عیاش نے ایک راوی سے پوچھا کہ ”فی ای سنة کتبت من خالد بن معدان“، خالد بن معدان سے کب سماع کیا ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ ۱۱۳ھ میں، میں نے خالد بن معدان سے سماع کیا ہے۔ تو وہ کہنے لگے: ”انت تزعم انک سمعت منه بعد موته بسبع سنین“ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ان کے مرنے کے بعد قبر میں جا کے سات سال بعد ان سے سماع کیا
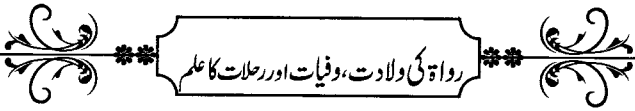
ہے۔① وہ تو سات سال پہلے فوت ہو چکے تھے، تو اس راوی کا جھوٹ ثابت ہو گیا، یعنی راویوں کے پرکھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ راویوں کا سماع دیکھا جائے، ان کی ولادت و وفات دیکھی جائے۔

اسی طرح معلیٰ بن عرفان② کہتے ہیں کہ حدثنی ابو وائل خرج علینا ابن مسعود بصفین،③ آپ جیسا ہوشیار آدمی بیٹھا تھا، وہ کہنے لگا کہ دیکھو! معلیٰ کیا کہہ رہا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہمارے پاس صفین میں آئے، حالانکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو فوت ہو گئے تھے عثمان غنی کے دور میں، تو صفین میں کب آئے؟

اس قسم کے راویوں کو پہچاننے کے لئے ایک ذریعہ یہ وفیات کا بھی ہے۔

---

① الجامع لاخلاق الراوی: ۱/ ۱۳۲، نمبر: ۱۴۵، امتحان الراوی بالسوال عن وقت سماعہ، فتح المغیث: ۴/ ۳۶۶، تدریب الراوی: ۲/ ۴۶۶، النوع الستون، التواریخ والوفیات، الکفایۃ: ۱۹۳۔
مختلف کتب میں یہ واقعہ موجود ہے لیکن اس میں تھوڑا اختلاف بھی ہے۔ جیسا کہ تدریب اور الجامع میں جو واقعہ ہے وہ وہی ہے جس طرف شیخ محترم اشارہ کر رہے ہیں، جبکہ الکفایۃ، ابن ابی حاتم کی الجرح والتعدیل، حافظ ذہبی کی میزان میں بھی یہ واقعہ ہے۔ عمر بن موسی بن وجیہ الحمصی کے حوالے سے ہے، اس میں تواریخ مختلف ہیں۔ ۱۱۳ھ کی جگہ ۱۰۸ ہے، خالد بن معدان کی وفات یہاں ۱۰۴ھ بیان کی گئی ہے، اس لحاظ سے درمیانی وقفہ ستر کی بجائے چار سال کا ہوا۔ فتح المغیث میں یہ دونوں واقعے موجود ہیں، اور ان کی وفات کے حوالے سے اختلاف کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ دیکھئے: ۴/ ۳۶۶، دار المنہاج

② معلیٰ بن عرفان الاسدی الکوفی، ابن معین نے اسے لیس بشیء، امام بخاری نے اسے منکر الحدیث امام نسائی نے اسے متروک الحدیث کہا ہے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں غالی شیعوں میں سے ہے، ابو حاتم نے ضعیف الحدیث، ابو وائل کہتے ہیں ابو وائل سے مناکیر بیان کرتا ہے، دیکھئے: لسان المیزان: ۷/ ۱۲۴۔ نیز امام دارقطنی نے الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا ہے، ابن عدی نے الکامل فی الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ امام ذہبی نے دیوان الضعفاء میں ذکر کیا۔

③ مقدمہ صحیح مسلم، فتح المغیث: ۴/ ۳۶۷، الجرح والتعدیل: ۸/ ۳۳۰، اس پر تبصرہ کے طور پر ابن ابی حاتم نے ابونعیم کا قول نقل کیا: ”فیا سبحان اللہ قبر ثم بعث بعد الموت“

رواۃ کی ولادت، وفیات اور رحلات کا علم
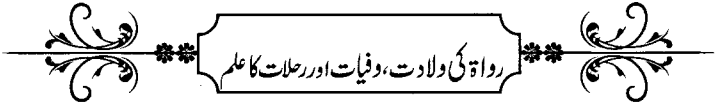
ایک بہت بڑے قاضی اصبغ بن خلیل القاضی [1] نے ایک روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی اپنی سند بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھی، میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی نمازیں پڑھیں، عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی نمازیں پڑھیں اور عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی۔ اور کوفہ میں علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی نمازیں پڑھیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور خلفاء راشدین بھی نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ [2] یہ بات اصبغ بن خلیل بیان کرتا ہے جو مالکی فقیہ ہے اور قاضی ہے، پچاس سال تک عہدہ قضاء پر فائز رہا ہے۔ مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو فوت ہوئے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں اور علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں نمازیں پڑھانے لگے جب وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ چھوڑ کر چلے گئے، تو کیا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قبر سے نکل کر انہوں نے نمازیں پڑھی تھیں؟؟ تو اصبغ بن خلیل کا یہ جھوٹ نشر گیا، اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا۔

اسی قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ جو کہ ایک بڑے امام ہیں، انہوں

---

[1] اصبغ بن خلیل القرطبی الاندلسی المالکی حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ بڑے عبادت گزار اور صاحب ورع تھے۔ اسے ابن الفرضی نے متہم بالکذب کہا بلکہ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ’’كان أصبغ بن خليل حافظًا للرأي على مذهب مالك فقيهًا في الشروط بصيرًا بالعقود ودارت عليه الفُتيا ولم يكن له علم بالحديث، وَلا معرفة بطرقه بل كان يعاديه ويعادي أصحابه‘‘ (لسان المیزان: ۲/ ۱۵۲) قاسم بن اصبغ نے اصبغ بن خلیل سے مصنف ابن ابی شیبہ کی توہین پر مبنی سخت کلمات سنے تو اس کو بددعا کی (سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۰۲، مؤسسۃ الرسالۃ)

[2] حافظ ذہبی یہ روایت نقل کرنے کے بعد قاضی عیاض کا اس پر تبصرہ نقل کیا: ’’فوقع في خطأ عظيم بين، منها أن سلمة بن وردان لم يرو عن الزهري، ومنها أن الزهري لم يرو عن الربيع بن خثيم ولا رآه.
ومنها قوله - عن ابن مسعود: صليت خلف علي بالكوفة خمس سنين، وقد مات ابن مسعود في خلافة عثمان بالإجماع‘‘ اور پھر خود تبصرہ کیا کہ ’’قلت: ومنها أنه ما صلى خلف عمر وعثمان إلا قليلا، لأنه كان في غالب دولتهما بالكوفة، فهذا من وضع أصبغ‘‘ (میزان الاعتدال)
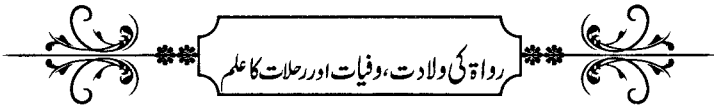
نے تفسیر میں بھی اور تاریخ میں بھی، تفسیر میں سورۃ العصر کی تفسیر میں اور البدایۃ والنھایۃ کی چھٹی جلد میں ذکر کیا ہے کہ جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب کے پاس گئے، کب؟ ''فی الجاھلیۃ'' جاہلیت کے دور میں۔ جب صنعاء میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ مسیلمہ نے کہا کہ آج کل آپ کے صاحب پر کیا نازل ہوا؟ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ آج کل ایک سورت نازل ہوئی [وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝]، وہ کہنے لگا اچھا مجھ پر بھی وحی نازل ہوئی ہے۔ مسیلمہ نے اپنے بنائے ہوئے الفاظ عمرو کے سامنے نقل کر دیئے۔ اب یہ واقعہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں۔[1] اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ پہلے تو سورت جس طرح کہ سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں کہا ہے کہ یہ وہ سورت ہے جو نزول کے اعتبار سے تقریباً بارھویں یا تیرھویں نمبر پر ہے۔[2] یعنی اوائل میں یہ سورت نازل ہوئی ہے۔ اس وقت عمرو بن عاص مسلمان نہیں تھے، مسیلمہ نے دعویٰ نبوت عام الوفود کے بعد ۹ ہجری کے بعد کیا ہے، بلکہ عام الوفود میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۸/۴۹۹، دار الحدیث القاھرۃ، تفسیر سورۃ العصر، اور سورۃ یونس کی آیت نمبر: 17 کے تحت، البدایۃ والنھایۃ: ۹/۴۷۴، مقتل مسیلمۃ کذاب لعنہ اللہ، طبع دار عالم الکتب

[2] عکرمہ اور حسن بن ابی الحسن کا قول نقل کیا، اس کے مطابق بارھواں نمبر ہے: ''ما أنزل الله من القرآن بمكة: اقرأ باسم ربك ون والمزمل والمدثر وتبت يدا أبي لهب وإذا الشمس كورت وسبح اسم ربك الأعلى والليل إذا يغشى والفجر والضحى وألم نشرح والعصر'' (الاتقان: ۱/۵۰) ایک قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اس میں بھی سورۃ العصر کا نمبر بارھواں ہے چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے: '' وكان أول ما أنزل من القرآن: اقرأ باسم ربك ثم ن ثم يا أيها المزمل ثم يا أيها المدثر ثم تبت يدا أبي لهب ثم إذا الشمس كورت ثم سبح اسم ربك الأعلى ثم والليل إذا يغشى ثم والفجر ثم والضحى ثم ألم نشرح ثم والعصر'' (الاتقان: ۱/۵۴) اور جو ترتیب جابر بن زید رحمہ اللہ سے بیان کی ہے اس میں اس کا تیرھواں نمبر بنتا ہے اس کی عبارت یہ ہے: ''عن جابر بن زيد قال: أول ما أنزل الله من القرآن بمكة: {اقرأ باسم ربك} ثم: {ن والقلم} ثم: {يا أيها المزمل} ثم: {يا أيها المدثر} ثم: {الفاتحة} ثم: {تبت يدا أبي لهب وتب} ثم: {إذا الشمس كورت} ثم: {سبح اسم ربك الأعلى} ثم: {سبح اسم ربك الأعلى} ثم: {والفجر} ثم: {والضحى} ثم: {ألم نشرح} ثم: {والعصر}'' (الاتقان: ۱/۱۶۸) جابر بن زید والی روایت کو علامہ سیوطی نے سیاق غریب اور اس کی ترتیب کو محل نظر قرار دیا۔ (الاتقان: ۱/۱۶۹)
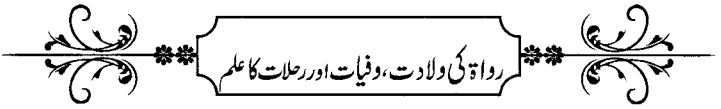
کے پاس حاضر ہوا ہے، مسیلمہ کا نبی ﷺ کے پاس حاضر ہونا منقول ہے۔ بدایہ ہی میں ہے[1] کہ یہاں سے جانے کے بعد دعوی نبوت کیا ہے، اور یہ خود حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ اور یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ جب اس نے دعوی نبوت کیا تو ابھی نبی ﷺ مکہ میں تھے۔ لہذا تاریخی اعتبار سے یہ حکایت درست ثابت نہیں ہوتی۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ احادیث ہوں یا واقعات ہوں ان کو پرکھنے کے لئے یہ سنین کا علم ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

یہاں ایک اور لطیفے کی بات سنئے! السیر الکبیر امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب ہے، اس کے بارے میں علامہ السرخسی نے اور انہی کے حوالے سے عقود رسم المفتی میں ابن عابدین رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ السیر الکبیر جب امام محمد نے لکھی تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے اس کو دیکھا اور کہا کہ یہ سیر کا علم اہل کوفہ کا علم نہیں یہ اہل شام کا علم ہے، امام محمد رحمہ اللہ کو پتہ چلا تو انہوں نے السیر الکبیر لکھی، اور اس سے امام اوزاعی رحمہ اللہ مبہوت ہوگئے، اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ "هو آخر تصنيف صنفه في الفقه" یہ امام محمد کی فقہ میں آخری کتاب ہے۔[2]

اب سنین کے دائرے میں اس حکایت کو دیکھتے ہیں تو امام محمد ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹ھ میں فوت ہوئے ہیں، جبکہ امام اوزاعی ۱۵۸ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ گویا کہ یہ امام اوزاعی کی وفات کے بعد امام محمد بن حسن شیبانی ۳۱ سال زندہ رہتے ہیں، اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ۳۱ سالوں میں السیر الکبیر کے بعد کچھ نہیں لکھا حالانکہ یہ امر واقع کے خلاف ہے امام محمد رحمہ اللہ نے تو

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: ۷/۲۵۲، قصة ثمامة و وفد بني خليفة و معهم مسيلمة الكذاب لعنه الله، طبع دار عالم الکتب، حافظ نے صحیح بخاری سے مسیلمہ کا قدوم ثابت کیا ہے، جوکہ صحیح بخاری کی حدیث نمبر ۴۳۷۳، ۴۳۷۴، ۴۳۷۵، ۴۳۷۸، ۴۳۷۹ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی حدیث نمبر ۴۳۷۳ کے تحت ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ مسیلمہ کا دعوی نبوت دسویں ہجری میں ہوا تھا۔

[2] رسم المفتی: ۷
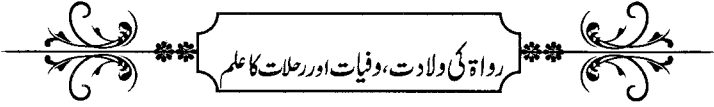
بہت کچھ لکھا ہے، بہت سی کتابیں لکھی ہیں، اب یہ کہنا کہ السیر الکبیر آخری کتاب ہے اور امام اوزاعی رحمہ اللہ نے دیکھی ہے۔ اگر آخری ہے تو اوزاعی نے کیسے دیکھ لی؟؟ حالانکہ وہ ۱۵۸ھ میں انتقال کر چکے ہیں۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات کتابوں میں موجود ہیں لیکن اس قسم کے واقعات کا دائرہ معلوم کرنے کا ایک ذریعہ اس کی توثیق وتعدیل سے ہٹ کر اس کی ولادت ووفات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ پتہ چلے کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے یہ ثابت بھی ہے یا کسی بنانے والے نے بنالی ہے۔ بہت سی باتیں اس طرح بنائی ہوئی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کا آپس میں سماع نہیں ہے، [1] مگر کذابوں نے دونوں بزرگوں کے مابین ایک مناظرہ گھڑ لیا۔ [2]

بہرحال امر واقع میں یہ چیز صحیح محسوس نہیں ہوتی، یہ چیزیں ہمیں ملحوظ رکھنی چاہییں، جرح و تعدیل سے ہٹ کر بھی ان سنین، ولادت، وفیات وغیرہ کا ہمیں علم ہونا چاہیے۔

---

[1] دیکھئے: العلل ومعرفۃ الرجال: ۴۸۴۲، عبارت: "لم یسمع الاوزاعی من ابی حنیفة شیئا ،انما عابه به"

[2] استاذ محترم جس واقعے کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں وہ رفع الیدین کے حوالے سے مسند ابی حنیفہ میں موجود ہے: جس کی عبارت یہ ہے [اجتمع أبو حنيفة والأوزاعي في دار الحناطين بمكة، فقال الأوزاعي لأبي حنيفة: ما بالكم لا ترفعون أيديكم في الصلاة عند الركوع وعند الرفع منه؟ فقال أبو حنيفة: لأجل أنه لم يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه شيء، فقال: كيف لم يصح وقد حدثني الزهري، عن سالم، عن أبيه، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه كان يرفع يديه إذا افتتح الصلاة، وعند الركوع، وعند الرفع منه، فقال له أبو حنيفة: وحدثنا حماد، عن إبراهيم، عن علقمة، والأسود، عن عبد الله بن مسعود، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يرفع يديه إلا عند افتتاح الصلاة، ولا يعود لشيء من ذلك، فقال الأوزاعي: أحدثك عن الزهري، عن سالم، عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وتقول: حدثني حماد، عن إبراهيم، فقال له أبو حنيفة: كان حماد أفقه من الزهري، وكان إبراهيم أفقه من سالم، وعلقمة ليس بدون ابن عمر في الفقه، وإن كانت لابن عمر صحبة، فله فضل صحبة، والأسود له فضل كثير، وعبد الله عبد الله، فسكت الأوزاعي] ۔۔۔ (بقیہ آئندہ صفحہ پر)
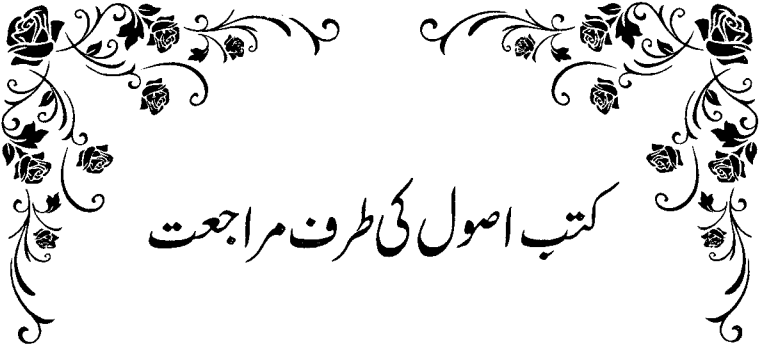
کتب اصول کی طرف مراجعت

یہاں ایک اہم بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ جب ہم جرح والتعدیل کی کتابوں سے مراجعت کریں تو تحقیق کی ضرورت ہے اور بہت احتیاط کی بھی ضرورت ہے۔ بالخصوص یہ جو ہمارے

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ) یعنی: امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ مکہ میں دار حناطین میں اکٹھے ہوئے تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے ابوحنیفہ سے کہا: تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے تم لوگ رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کیوں نہیں کرتے؟ تو ابوحنیفہ نے جواب دیا: اس لئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سلسلے میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔ تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: کیوں نہیں ثابت ہے جبکہ مجھ سے امام زہری نے بیان کیا، انہوں نے سالم سے نقل کیا انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ تو امام ابوحنیفہ نے کہا: اور ہم سے حماد نے بیان کیا، انہوں نے ابراہیم سے روایت کیا، انہوں نے علقمہ اور اسود سے نقل کیا، انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف نماز شروع کرتے وقت ہی رفع الیدین کرتے تھے، اور اس کے بعد ایسا کچھ بھی نہیں کرتے تھے۔ تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: میں جو حدیث پیش کر رہا ہوں وہ "زہری عن سالم عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کی سند سے ہے اور اس کے مقابلے میں آپ "حماد عن ابراہیم" کی سند سے حدیث پیش کر رہے ہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں ان سے کہا: حماد زہری سے زیادہ بڑے فقیہ تھے اور ابراہیم سالم سے زیادہ بڑے فقیہ تھے اور علقمہ بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے فقہ میں کم نہیں ہیں گو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور انہیں یہ شرفِ صحبت حاصل ہے، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد امام اوزاعی رحمہ اللہ خاموش ہو گئے۔

یہ پورا واقعہ ہی جھوٹا ہے اس کتاب مسند کا جامع عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی ہی امام ابوحنیفہ کے ڈیڑھ سو سال بعد کا ہے اور جھوٹا راوی ہے۔

پھر مزید اس میں محمد بن ابراہیم بن زیاد الرازی کذاب ہے۔

اسی طرح اس میں ایک راوی سلیمان بن داؤد شاذ کونی ہے جس کے بارے میں کلام گزر چکی ہے دیکھئے: (صفحہ ۹۱)

اور اس مناظرے کے تفصیلی جائزے کے لئے دیکھئے: مقالات راشدیہ کی جلد نمبر ۵ صفحہ نمبر ۲۵۳ تا ۳۴۸ جس میں سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کے مقالہ "کحل العینین لمن یرید تحقیق مناظرۃ الامام ابی حنیفۃ مع الاوزاعي فی رفع الیدین" میں تفصیلی رد موجود ہے، جو کہ اصلاً عربی میں ہے۔ مقالات راشدیہ میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

کتبِ اصول کی طرف مراجعت
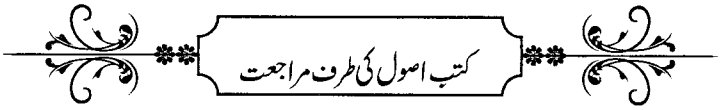
سامنے مختصرات ہیں، مختصرات سے میری مراد میزان الاعتدال ہے، حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب، مزی کی تہذیب الکمال، خزرجی کا خلاصہ، یہ جو مختصرات ہیں صرف اسی پر قناعت کرنا درست نہیں ہے۔ جب تک آپ اصل کی طرف مراجعت نہ کریں اس وقت تک عین ممکن ہے کہ آپ الفاظ کو نقل کرنے یا سمجھنے میں خطا کھا جائیں، اور اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، حتی کہ دو راوی ہم نام ہیں، اب ان راویوں کے بارے میں ایک کی جرح دوسرے راوی میں نقل کی ہوئی ہمیں نظر آتی ہے، مثال کے طور پر دیکھئے: محمد بن ثابت البنانی رحمہ اللہ ہیں، اسی کے تقابل میں محمد بن ثابت العبدی ہیں۔ نام ایک، باپ بھی ایک، لیکن فرق نسبت سے کریں گے، کہ یہ بنانی اور وہ عبدی ہیں۔ اب ہوا کیا ہے؟ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ وہ ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ (ان کی بھی تاریخ الکبیر اب چھپ چکی ہے) سے نقل کرتے ہیں کہ ابن ابی خیثمہ نے یحی بن معین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے محمد بن ثابت البنانی لیس بقوی، یہ قوی نہیں ہے،[1] اب یہ نقل کس نے کیا ہے؟ نقل کرنے والے بھی معمولی آدمی نہیں، بلکہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ ہیں، محدثین کا دور ہے۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ بات کہہ کر حیران کر دیا کہ یہ بات محمد بن ثابت البنانی کے بارے میں نہیں بلکہ ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ نے یحی بن معین رحمہ اللہ کا یہ قول محمد بن ثابت العبدی کے بارے میں کہا ہے۔[2]

اب یہ ہوتا کیسے ہے؟ محمد بن ثابت البنانی کا ترجمہ بھی ہے اور محمد بن ثابت العبدی کا ترجمہ اوپر نیچے ایک صفحہ پر ہے اب لفظ نقل کرتے ہوئے بسا اوقات پہلے ترجمے کی طرف نظر منتقل ہو جاتی ہے، اور اس میں جو بات مذکور ہوتی ہے، وہ دوسرے راوی کے لئے نقل ہو جاتی ہے، یہ انسانی خطاء

---

[1] الجرح والتعدیل: ۷/ ۲۱۶

[2] تہذیب التہذیب: ۳/ ۵۲۵، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے: "قلت وقال بن أبي حاتم كتب إلي ابن أبي خيثمة سمعت ابن معين يقول: محمد بن ثابت ليس بقوي، كان عفان يقول: محمد بن ثابت البناني رجل صدوق في نفسه ولكنه ضعيف الحديث۔ كذا ذكر ابن أبي حاتم والذي في تاريخ ابن أبي خيثمة هذه القصة عن محمد بن ثابت العبدي۔ فالله أعلم"

کتب اصول کی طرف مراجعت
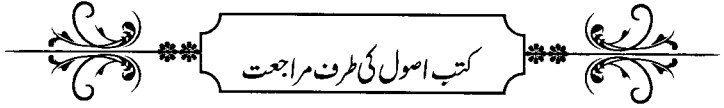
ہے، یہ انسانی کمزوری ہے۔ اس کمزوری کو زائل کرنے کا حل یہی ہے کہ جرح وتعدیل وغیرہ نقل کرتے وقت غفلت سے کام نہ لیا جائے۔

بالکل اسی طرح ایک معروف مثال ہے، مؤمل بن اسماعیل کی، تہذیب میں بھی ہے، میزان میں بھی ہے، کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔[1] حالانکہ امر واقع یہ ہے کہ امام بخاری نے مؤمل بن اسماعیل کو نہیں کہا بلکہ مؤمل بن سعید کو کہا ہے،[2] دونوں کا ترجمہ اوپر نیچے ہے، بس نقل کرنے میں یہ تسامح ہوا ہے، اور پھر مختصرات میں اسی طرح بغیر مراجعت نقل ہوتا گیا ہے۔ یہ مؤمل کا ہی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ اور بھی اس طرح کی مثالیں موجود ہیں، جس طرح علاء بن حارث ہیں، اس کے بارے میں بھی میزان میں لکھا ہوا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے،[3] حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے علاء بن حارث کے بارے میں نہیں، بلکہ اس کے بعد علاء بن کثیر کے بارے میں ہے،[4] اب علاء بن کثیر کی جرح علاء بن حارث کے بارے میں نقل ہوگئی، تو یہ انسانی فطری تقاضہ اور کمزوری ہے، ایسا ہو جاتا ہے، اب اس کا حل یہی ہے کہ مختصرات میں جرح دیکھنے کے بعد اصل کی طرف مراجعت کر لینی چاہیے۔

اسی طرح آپ دیکھیں عمر بن نافع، مولیٰ ابن عمر ہیں اور ایک راوی اسی نام پر ہے، عمر بن نافع الثقفی، ابن عدی رحمہ اللہ نے عمر بن نافع مولیٰ ابن عمر کے ترجمے میں یحی بن معین کا قول نقل کیا ہے، لیس حدیثه بشيء[5]، جبکہ آپ تہذیب میں دیکھیں تو یحی بن معین کا یہی قول عمر بن نافع الثقفی

---

[1] لسان المیزان: ۹/ ۲۱۹، تہذیب التہذیب: ۴/ ۱۹۳، مؤسسۃ الرسالۃ

[2] تاریخ کبیر: ۷/ ۳۵۶

[3] میزان: ۹۸/ ۳

[4] تاریخ کبیر: ۶/ ۲۹۵، اس حوالے سے مزید تفصیل کے لئے دیکھیں استاد محترم کی شہرہ آفاق کتاب توضیح الکلام صفحہ نمبر ۲۹۳

[5] الکامل فی الضعفاء: ۶/ ۹۳
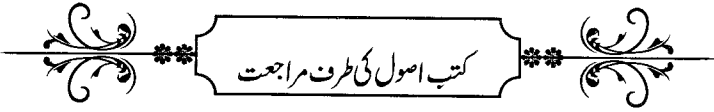
کے بارے میں درج ہوگیا ہے،[1]

اسی طرح ابن عدی نے الکامل میں یحی البکاء کے ترجمے میں ذکر کیا ہے وکیع کا شیخ ضعیف ہے اور اس کا نام یحی بن مسلم ہے۔ لیکن یہ ابن عدی کا وہم ہے۔ یحی کا یہ قول یحی بن مسلم الکوفی کے بارے میں ہے جیسا کہ میزان الاعتدال ۴/۴۰۹ میں تفصیل بیان ہوئی ہے۔ تو اس قسم کی بہت سی اخطاء اور تسامح الفاظ الجرح والتعدیل کے حوالے سے نقل ہوتے ہیں۔

بلکہ ایک جگہ عجیب سا لطیفہ ہے، حافظ ابن حجر نے تہذیب میں درج کیا ہے کہ قال ابو حاتم هو عندی عدل اب یہ جملہ تعدیل ہے۔[2] جبکہ الجرح والتعدیل میں هو علی یدی عدل [3] ہے۔ اور یہ سخت ترین جرح ہے،[4] کہتے ہیں کہ عدل ایک حکومت میں جلاد کا نام تھا، جب کسی کی ہلاکت اور بربادی کا اشارہ کرنا ہوتا تو وہ کہہ دیتے هو علی یدی عدل کہ وہ تو اب جلاد کے ہاتھوں چڑھ گیا۔ نام ہی نہ لو، کجا یہ کہ هو عندی عدل اور کجا یہ کہ هو علی یدی عدل۔

اسی طرح امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بھی ہے کہ یہ راوی لایحتج به،[5] حافظ

---

[1] تہذیب التہذیب: ۳/۲۵۲، عمر بن النافع الثقفی ،الکوفی ،عبارۃ: قال الدوری: عن ابن معین، لیس بشئی

[2] تہذیب التہذیب: ۴/۴۴۷، یعقوب بن محمد بن عیسیٰ

[3] الجرح والتعدیل: ۹/۲۱۵، یعقوب بن محمد بن عیسیٰ

[4] خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، ان کی عبارت یہ ہے: "على يدي عدل معناه قرب من الهلاك وهذا مثل للعرب كان لبعض الملوك شرطي اسمه عدل فإذا دفع إليه من جنى جناية جزموا بهلاكه غالبا ذكره بن قتيبة وغيره وظن بعضهم أنها من ألفاظ التوثيق فلم يصب" (تہذیب التہذیب: ۳/۵۵۳، محمد بن خالد بن عبداللہ بن عبدالرحمان بن یزید الواسطی)

[5] الجرح والتعدیل: شیبان بن عبدالرحمان

کتبِ اصول کی طرف مراجعت
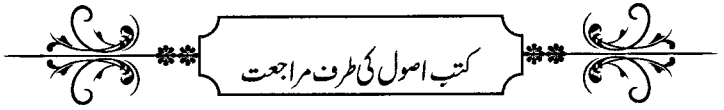
ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ الجرح والتعدیل میں نہیں ہے۔[1] لیکن موجودہ کتاب جب ہم دیکھتے ہیں تو اس میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

کہنا چاہتا ہوں کہ ان کتابوں سے الفاظ کے نقل کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ بلکہ آپ جامع ترمذی کو دیکھ لیں، جامع ترمذی کے جتنے ہندی نسخے ہیں، تحفۃ الاحوذی کا نسخہ بھی، اس میں بھی یہ عبارت لکھی ہوئی ہے، کہ زیاد مع شرفه يكذب في الحديث[2]، ترمذی کے اکثر نسخوں میں اسی طرح ہے، اور یہ بڑی پرانی خطا ہے حتی کہ علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے الروض الانف میں بھی ترمذی کی اس خطا کا تذکرہ کیا ہے۔ اور وہاں انہوں نے کہا ہے کہ "وهم الترمذی في كتابه" کہ یہ وہم ترمذی سے ہوا ہے،[3] یعنی انہوں نے وہم کا انتساب ترمذی کی طرف کیا ہے، لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ ناسخ کی پرانی غلطی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی تہذیب میں اس غلطی کا تذکرہ کیا ہے۔[4] اصل عبارت یہ ہے: زياد اشرف من ان يكذب في الحديث، کجا اس کی برأت اور کجا اس کی تضعیف، صرف ایک نسخہ ہے جو علامہ ابن العربی رحمہ اللہ کی عارضۃ الاحوذی کا ہے۔ اس نسخے میں یہ عبارت صحیح ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخوں کا اختلاف ہے، ناسخین

---

[1] تہذیب التہذیب: شیبان بن عبدالرحمان

[2] جامع ترمذی کے نسخے حدیث نمبر: ۱۰۹۷ اور تحفۃ الاحوذی ۔۔۔ ولفظھا: قال وكيع: »زياد بن عبد الله مع شرفه يكذب في الحديث

[3] الروض الانف

[4] تہذیب التہذیب: ۱/۶۵۱، زیاد بن عبداللہ بن الطفیل البکائی، ان کی عبارت: "ووقع في جامع الترمذي في النكاح عن البخاري عن محمد بن عقبة عن وكيع قال زياد مع شرفه يكذب في الحديث والذي في تاريخ البخاري عن ابن عقبة عن وكيع زياد أشرف من أن يكذب في الحديث وكذا ساقه الحاكم أبو أحمد في الكنى بإسناده إلى وكيع وهو الصواب ولعله سقط من رواية الترمذي لا وكان فيه مع شرفه لا يكذب في الحديث فتتفق مع الروايات والله أعلم"
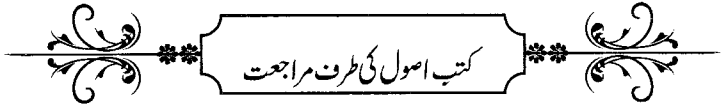
سے قدیم غلطی ہوئی ہے، امام ترمذی کا وہم نہیں ہے۔

اس قسم کی غلطیاں اوراخطاء ہماری سنن کی کتابوں میں بھی اور رجال کی کتابوں میں بھی موجود ہیں۔

آپ دیکھئے: فتح الباری کے مقدمے میں ابراہیم بن سوید بن حیان کے بارے میں مذکور ہے، کہ "وثقه ابن معين وابو زرعة۔"[1] جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ابوزرعہ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ لیس بہ باس۔ اب لیس به باس والی توثیق اور ثقہ کہہ کر کی جانے والی توثیق میں فرق ہے، ثقہ کا درجہ اعلی ہے، لیس به باس سے، اور چونکہ لیس به باس توثیق کا جملہ شمار ہوتا ہے اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو بھی توثیق میں شامل کر دیا۔ تو اس قسم کی جب جرح یا توثیق دیکھیں تو یہ معلوم کرنا چاہئے کہ اصل الفاظ کیا ہیں؟

مثال کے طور پر مقدمہ فتح الباری میں ابراہیم بن منذر کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ وثقه ابن معين والنسائی[2]، جبکہ ہم امام نسائی کا کلام دیکھتے ہیں تو تہذیب میں خود حافظ لکھتے ہیں: قال النسائی : لیس به باس،[3]

اسی طرح بشر بن شعیب کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ مجروحین میں لکھتے ہیں کہ قال البخاری ترکناه ،[4] یہ جرح ہے اور اسی جرح کی بنیاد پر ابن حبان رحمہ اللہ مجروح قرار دیتے ہیں جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے التاریخ الکبیر میں الفاظ یہ ہیں کہ انما ترکناه حیا سنة ۲۱۲ھ ہم نے

---

[1] فتح الباری: مقدمہ، ۵۵۳، دارالسلام ریاض

[2] فتح الباری: مقدمہ، ۵۵۴، دارالسلام ریاض

[3] تہذیب التہذیب: ۱/ ۱۵۷ دارالکتب العلمیۃ،

[4] المجروحین میں بشر بن شعیب کا ترجمہ موجود نہیں یہ ساری بات حافظ ابن حجر نے نقل کی ہے، اسی سے استاد محترم حفظہ اللہ نے نقل کیا ہے بلکہ میزان: ۳۱۸ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بشر کا ترجمہ المجروحین سے ساقط ہے، تفصیل کے لئے تہذیب الکمال میں شعیب کے ترجمہ کا حاشیہ دیکھیں۔

کتب اصول کی طرف مراجعت

ان کو زندہ چھوڑا ہے ۲۱۲ھ میں،[1] پھر ہماری اس کی ملاقات نہیں ہوئی، امام بخاری نے "ترکنا" کا معنی کچھ اور مفہوم میں لیا اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے اصطلاحی معنی میں سمجھ لیا ہے، اب یہ بڑے، بڑوں سے یہ خطا کا معاملہ ہوا ہے، یہ صرف مختصرات میں نہیں ہوا۔

ایک اور مثال معاویہ بن یحیی الصدفی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے چنانچہ میزان الاعتدال میں یہ بات موجود ہے، کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے قال البخاري: روى عن الزهري "أحاديث مستقيمة"[2] اور یہی الفاظ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے نقل کئے ہیں[3] اور یہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں انہی پر اعتبار کرتے ہیں۔

جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے التاریخ الکبیر میں کہا ہے: روى عن الزهري و روى عنه حقل بن زياد احاديث مستقيمة كانها من كتاب[4]، یہ زہری سے روایت کرتا ہے اور حقل بن زیاد اس (معاویہ بن یحیی الصدفی) سے روایت کرتا ہے اور حقل بن زیاد کی اس سے روایتیں مستقیمہ ہیں۔ گویا امام بخاری رحمہ اللہ کہنا چاہتے ہیں کہ حقل کی روایتیں معاویہ سے مستقیم ہیں، لیکن یہاں علی الاطلاق یہ سمجھ لیا گیا کہ وہ (معاویہ بن یحیی الصدفی) جو زہری سے روایت کرتے ہیں وہ احادیث مستقیمہ ہیں۔

اسی طرح الفاظ کے نقل کرنے میں ایک اور تسامح ہوتا ہے، مثلاً:

ایک لفظ ہے: "ليس بالقوى" اور ایک لفظ ہے: "ليس بقوى"،

اسی طرح ایک لفظ ہے: "ليس بالثقة"، اور ایک لفظ ہے: "ليس بثقة"

---

[1] تاریخ کبیر: ۶ / ۶۳، بشیر بن شعیب بن ابی حمزۃ ابو القاسم الحمصی

[2] میزان الاعتدال: ۴ / ۱۳۸

[3] مجمع الزوائد: ۲ / ۲۸۴

[4] تاریخ کبیر: ۷ / ۲۱۳، معاویۃ بن یحیی الصدفی الدمشقی

کتبِ اصول کی طرف مراجعت
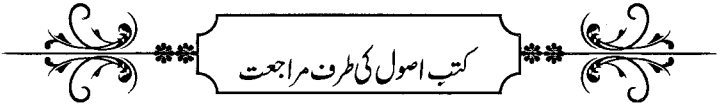
مذکورہ دونوں عبارتوں میں بھی فرق ہے اوران کے مفہوم میں بھی فرق ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اعلیٰ درجے کا قوی نہیں ہے حتیٰ کہ یہاں تک بھی کہا گیا ہے کہ ليس بالقوی کی روایت حسن درجے سے کم نہیں ہوتی، اس سے مراد اعلیٰ درجے کی توثیق کی نفی ہے، لیکن ليس بقوی سے مراد یہ ہے کہ یہ بالکل قوی نہیں ہے۔ یہ ضعیف ہے جس طرح ليس بثقة کے معنی یہ ہے کہ ثقہ نہیں ہے، لیکن ليس بالثقة کا معنی ہے کہ اعلیٰ درجے کا ثقہ نہیں ہے۔تو کتابوں کی مراجعت کے وقت یہ چیز بھی دیکھنی چاہیے۔

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ لفظ استعمال کرتے ہیں: ''فيه نظر '' یہ جرح ہے، اور'' في اسناده نظر ''فی الجملہ جرح ہے۔یعنی اس راوی کی بیان کردہ سند میں جرح ہے، بسا اوقات امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں صحابہ کا ذکر کیا ہے، اور اس میں کہتے ہیں: في حديثه نظر، اب اس کے مفہوم دو لئے گئے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ یہ صغار صحابہ میں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سے سماع نہیں ہے، في حديثه نظر ،یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث میں سماع نہیں ہے، اس حوالے سے نظر ہے، یا دوسرا مفہوم صحابی سے پیچھے جو سند ہے، اس میں نظر ہے، یہ مقصد نہیں ہے کہ صحابی پر کلام ہے، اب دیکھیے کہ اویس قرنی ہیں، ان کے فضائل میں صحیح مسلم میں حدیث موجود ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں ذکر کر کے کہا ہے: في اسناده نظر، اب وہاں بھی مراد یہ ہے کہ ان سے جو روایت منقول ہے اس میں نظر ہے۔اوس بن عبداللہ کے بارے میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے في اسناده نظر کہا ہے، امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مقصد یہ ہے کہ ان کا عائشہ سے یا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔'' في اسناده نظر ''اور'' فيه نظر '' میں فرق ہے، لیکن یہاں بھی الفاظ کے نقل کرنے میں تسامح ہوجاتا ہے، اور'' في اسناده نظر '' کے بجائے '' فيه نظر ''نقل ہوجاتا ہے، جس کے نتیجے میں راوی بالکل ایک کمزور ترین سطح پر چلا جاتا ہے۔اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ کے الفاظ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے

کتبِ اصول کی طرف مراجعت

کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کیا کہا ہے؟

اسی طرح ایک معروف بات ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "منکر الحدیث"، امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ" کل من قلت فیه منکر الحدیث فلا تحل الروایة" اس سے روایت حلال نہیں ہے۔ اب اس سے بادی النظر میں معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ "لا یکتب حدیثه" کے درجے میں ہے، لیکن "لا تحل الروایة" کا مفہوم یہاں یہ نہیں ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ "لا تحل الاحتجاج بروایته" یعنی اس کی روایت سے احتجاج جائز نہیں، کیونکہ بعض ایسے راوی موجود ہیں جن کو امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث کہا ہے اوران کی حدیث بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے لکھی ہے، تو اس کی توجیہ پھر یہی ہوگی کہ اس سے مراد لاتحل الاحتجاج بروایته، یہی وجہ ہے کہ امام سخاوی رحمہ اللہ نے فتح المغیث میں یہ کہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک منکر الحدیث کا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس سے مراد لا تحل الاحتجاج به ہے۔

دراصل بات ایسے ہی ہے جیسے کہ کہی گئی ہے۔

جس کے دامن میں پھول ہوتے ہیں
اس کے اپنے اصول ہوتے ہیں

امام بخاری رحمہ اللہ کے اصول کچھ علیحدہ ہیں، امام ابوزرعہ رحمہ اللہ کے، امام ابوحاتم رحمہ اللہ کے، امام یحی بن معین رحمہ اللہ کے اصول کچھ علیحدہ ہیں، لیکن ان کا علم جب آپ اس فن سے ممارست رکھیں گے تو یہ آتے رہیں گے۔

وہ ضروری باتیں جو میں نے سمجھی ہیں وہ میں نے آپ کے سامنے کردی ہیں، اللہ اس فن کو سمجھنے میں ہمیں ایک دوسرے کا ممد و معاون بنائے۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لاالہ الا انت استغفرک و اتوب الیک
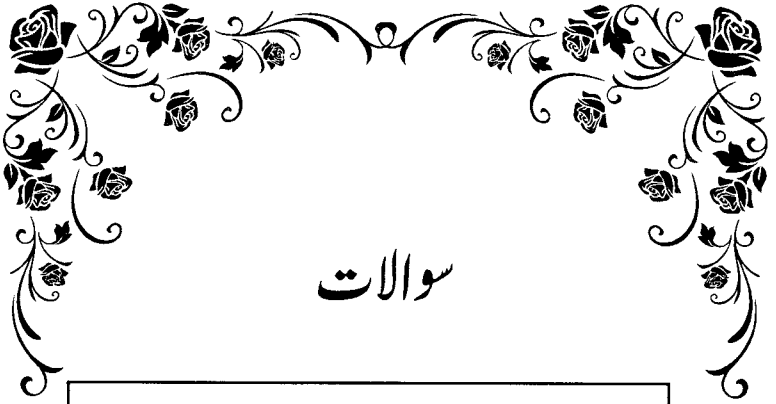
سوالات

محاضرہ کے بعد موضوع سے متعلق سوالات کا بھی وقت مقرر کیا گیا تھا، جو کہ تحریری طور پر حاضرین کی جانب سے موصول ہوئے اور فوراً ہی ان کے جواب دیئے گئے تھے۔ یہ سولات بڑی تعداد میں تھے، لیکن وقت کی قلت کی وجہ سے تمام کے جواب نہیں دیئے گئے اور کچھ چونکہ موضوع سے متعلق نہیں تھے اس لئے بھی حذف کر دیئے گئے تھے۔ ان سولات کو بھی اس کتاب کا حصہ بنایا جارہا ہے۔

سوال نمبرا

شیطان کی روایت رسول اللہ ﷺ کی موافقت کی وجہ سے قبول کی گئی حالانکہ وہ کذاب تھا اور اس کا کذب زیادہ افسر تھا، جھوٹ سے؟؟ ایسا کیوں؟

جواب

میں یہ جواب دے چکا ہوں کہ کذاب کی بات قابل قبول نہیں ہے، ہم نے شیطان کی بات کو شیطان کے تناظر میں نہیں لیا ہے، بلکہ نبی ﷺ کی بات کے تناظر میں لیا ہے، باقی یہ بات ٹھیک ہے کہ کذاب کبھی کبھی سچ بھی بولتا ہے لیکن کذب کی تہمت اس پر ایسی لگی ہے کہ اب اس کی کسی بات کا اعتماد نہیں رہتا۔ اسی طرح فاحش الغلط کی بھی کثرت خطا کی وجہ سے روایت مردود ہو جاتی ہے، جس طرح کذاب کی ہے، حالانکہ اس کی سب

روایتیں غلط نہیں ہوتیں، لیکن اکثر ہوتی ہیں۔

سوال نمبر ۲

جرح وتعدیل دونوں ہوں تو کس کو مقدم کیا جائے؟

جواب

عرض کر چکا ہوں کہ جرح اگر مفسر ہو تو مقدم ہے ورنہ تعدیل، اور یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جرح کرنے والا متشدد ہے، معتدل ہے یا متساہل۔ [1]

سوال نمبر ۳

بعض نے جرح کو تعدیل پر مقدم کیا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب

ہاں! لیکن یہ تب صحیح ہے جب جرح مفسر ہو۔ جب جرح مفسر نہ ہو تو علی الاطلاق مقدم نہ ہوگی۔

سوال نمبر ۴

جرح وتعدیل کو سمجھنے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے اور کون سی کتب مفید ہیں ان کا کیسے مطالعہ کیا جائے؟

جواب

جرح وتعدیل کے فن کو سمجھنے کے لئے بنیادی کتابیں، ایک کتاب تو میں نے آپ کے سامنے ذکر کی ہے، علامہ عبدالحئی رحمہ اللہ کی الرفع والتکمیل، جو اس فن میں بہت اچھی

---

[1] (دیکھئے بحث تعارض الجرح والتعدیل)

سوالات

کتاب ہے، اس کی تحقیق کی ہے، شیخ ابوغدۃ نے، اس کتاب کوسہہ چند مفید بنادیا ہے، سوائے بعض ان باتوں کہ جوعلامہ کوثری کی بعض باتیں جوان سے منقول ہے ان سے ہٹ کر۔ اس فن کو سمجھنے کے لئے التنکیل کی پہلی جلد کا مقدمہ اس سے بھی کسی صورت غفلت اختیار نہ کریں، یہ بھی ضروری ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مقدمہ جس میں انہوں نے صحیح بخاری کے راویوں پر اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں، جرح والتعدیل کی تطبیقی صورتوں کو معلوم کرنے کے لئے فتح الباری کے مقدمے کے ان رجال کو پیش نظر رکھنا چاہئے، بلکہ انہاء السکن کو بھی دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میزان الاعتدال، تہذیب، اب تو سیر اعلام النبلاء، چھپ کر آ گئی ہے، بلکہ اب تو بہت سا ذخیرہ آ گیا ہے کہ جنہیں دیکھنے کے لئے ہمارے اکابر کی آنکھیں ترستی تھیں، تلاش کرتے تھے، یہ کتابیں موجود بھی ہیں یا نہیں؟ ہیں تو کہاں ہیں؟ لیکن اب موجود ہیں ہمیں ان کی بھی مراجعت کرنی چاہئے۔

سوال نمبر ۵

صدوق ربما یھم کی روایت کے بارے میں آپ نے بتایا ہے کہ قبول ہوگی لیکن ایسے راوی کی روایت کہ جس کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا کہ وہ وہم والی ہے یا نہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب

میں نے عرض کیا ہے وہم کا پتہ تقابل سے ہوتا ہے کہ اس سے وہم ہوا ہے یا اس میں کوئی نکارت ہے۔

سوالات

سوال نمبر ٦

خلط علیه الاحادیث اور اختلاط میں کیا فرق ہے؟

جواب

خلط علیه الاحادیث تو فحش الغلط کے زمرے میں آتا ہے اور مختلط جس کا ذہن خلط ملط ہو گیا ہو۔

سوال نمبر ٧

واقعہ افک کے معاملے میں بعض صحابہ کے نام آئے ہیں کہ ان سے خطا ہوئی ہے؟

جواب

الصحابة کلهم عدول، اگر ان کے نام آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے کے بعد اب ہمارے لئے اس میں کسی قسم کے شک وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

سوال نمبر ٨

مروان بن حکم سے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت لی ہے بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں، اس کا جواب عنایت فرما دیں۔

جواب

اس حوالے سے دو باتیں ہیں۔

1. امام بخاری نے مروان بن حکم سے روایت اصالۃ لی ہے یا متابعت میں۔ اگر متابعتاً لی ہے، تو پھر تو اعتراض ہی نہیں رہتا۔

سوالات
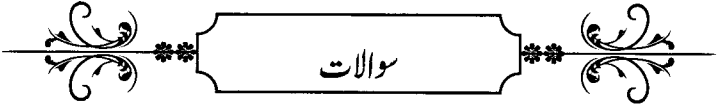
❷ امام عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کان مروان لا یتهم فی الحدیث، کہ مروان حدیث روایت کرنے میں متہم نہیں ہے پھر مروان سے سیدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ نے روایت لی ہے، لہذا روایت میں اس پر اعتراض درست نہیں ہے۔

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر

مدینہ یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اسکالرز کی زیرِ سرپرستی قائم تعلیمی، تحقیقی، تبلیغی و رفاہی ادارہ

ایک ایسا ادارہ جو خالصتاً قرآن و سنت کی روشنی میں

☆ تمام تر تعصّبات سے بالاتر رہ کر دینِ اسلام کی خدمت، شعائرِ اسلام کے دفاع اور امتِ مسلمہ کے عقائد و افکار و اعمال کی اصلاح کے لئے مصروفِ عمل ہے۔

☆ نظریاتی و عملی فتنے اور دیگر باطل افکار و نظریات کا مدلل رد خالص علمی انداز میں پیش کرتا ہے۔

☆ تحقیق و تالیف کے میدان میں فکری و نظریاتی، مالی معاملات اور دیگر جدید مسائل میں تفصیلی و مدلل تجزیہ اور شرعی حل تجویز کرتا ہے۔

☆ الیکٹرانک میڈیا میں اپنی ویب سائٹ www.islamfort.com اور سوشل میڈیا کے ذریعہ تمام دنیا میں دینِ اسلام کی نشر و اشاعت کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

☆ آپ کی زندگی سے متعلقہ تمام شرعی مسائل کا حل زبانی، تحریری اور آن لائن ہر طرح سے پیش کرتا ہے۔

☆ ہر عمر اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے مرد و خواتین کے لئے مختلف اوقات میں دینی و دنیاوی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتا ہے۔

☆ معاشرے میں غرباء و مساکین، یتیم و بیواؤں اور مستحق افراد کی حسبِ مقدور کفالت کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔

آیئے دینِ اسلام کی سربلندی کے اس عظیم مشن میں "المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر" کا ساتھ دیجئے۔

جامع مسجد سعد بن ابی وقاص ڈیفنس فیز 4 نزد شہید پارک گذری پولیس اسٹیشن کراچی

www.islamfort.com info@islamfort.com /islamfort1 /islamfort1 +92-322-2056928